دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
1975
ماہنامہ
الحق
سرپرستی: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق، بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پشاور (مغربی پاکستان)

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر۔ دارالعلوم : ۴ قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار فون نمبر۔ رہائش : ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۱۰
شمارہ نمبر : ۶

اپریل ۱۹۷۵ء

مدیر

سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک۔ پاکستان میں سالانہ دس روپے بیرون ملک بحری ڈاک ایک پونڈ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

فی پرچہ
ایک روپیہ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

خادم الحرمین خلیفۃ المسلمین شاہ فیصل کی شہادت

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین
بر وصال شیخ مستعظم امیر المومنین

آہ، کعبۃ اللہ اور مدینۃ الرسول کا کیسا خادم یکایک دنیا سے چل بسا۔ جلالۃ الملک فیصل المعظم شہید کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایک ایسے مرحلہ پر کہ عرب اور اسرائیل کے درمیان امن مذاکرات ناکامی کے موڑ پر پہنچ گئے تھے اور مغرب کا عیار نمائیدہ کسنجر بظاہر اس کا ذمہ دار اسرائیل کو ٹھہرا رہا تھا۔ اور جنگ کے بادل نہایت گہرے ہوتے گئے۔ کہ عالم عرب اپنے ایک عظیم اور مدبر سپوت سے محروم ہو گیا۔ پرسوں جبکہ اسلامیان عالم اپنے آقا اور مولیٰ نبی عربی تاجدار دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کر رہے تھے۔ پاسبان حجاز ملک فیصل نے ایسے ہی ایک تقریب میں گویا آقائے مدینہ کے حضور میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ شہادت تو مطلوب و مقصودِ مؤمن ہے اور ملک فیصل نے تو اسی موسم حج میں اپنے خطبہ عرفات کے دوران بیت المقدس کی بازیابی اور فلسطین کی آزادی کی راہ میں شہادت کی آرزو اور تمنا بھی ظاہر کر دی تھی۔ انہوں نے شہادت پا کر حیات جاودانی حاصل کر لی۔ مگر ایک شقی مسلمان کے ہاتھوں ان کی شہادت نے ہماری تاریخ کا وہ سیاہ باب دہرا دیا جبکہ بظاہر اپنوں ہی کے ہاتھوں حضرت عثمان اور حضرت علی اور پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

آج جبکہ پوری ملت مسلمہ شاہ فیصل کی جدائی پر ماتم کناں ہے، علم اور دین کی محفلوں میں قیامت برپا ہے۔ اور مسلمانوں کے ایوانِ حکومت و سیاست اضطراب میں ڈوب چکے ہیں۔ تو اس لئے نہیں کہ مرحوم فیصل ایک بادشاہ اور دنیا کی بہت بڑی مالدار ریاست کے حکمران تھے بلکہ اس لئے کہ عالم اسلام اپنے ایک نہایت ہمدرد و شفیق سرپرست اور دردمند بزرگ سے محروم ہو گیا ہے۔ یہ مقام اور منصب انہیں قانون اور روایتی رسم و رواج نے نہیں بلکہ ان کی فعال اور زندہ جاوید شخصیت نے

دیا تھا۔ وہ بظاہر سعودی عرب کے حکمران تھے مگر ان کے درد و اخلاص، ملت مسلمہ کی فکرمندی اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی کوششوں، ان کی سیاسی بصیرت، تدبّر، دور اندیشی، شرافتِ نفس، بردباری اور متحمل مزاجی کے ساتھ مدبرانہ صلاحیتوں نے انہیں دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کے قلوب پر حکمرانی بخش دی تھی۔ عالمِ اسلام میں انہیں قلب کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ حرمین الشریفین کی پاسبانی کے ساتھ ذاتی صفات اور بلندئ کردار نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ اور وہ غیر شعوری طور پر مسلمانوں کے ان احساسات اور تمناؤں کے مرکز بنتے چلے گئے جو وہ اپنے دلوں میں خلافتِ اسلامیہ اور مرکزیتِ عالمِ اسلام کے بارہ میں رکھتے تھے مسلمانوں کی ان حسین اور معصوم تمناؤں کا اظہار عالمِ اسلام کے کئی قائدین نے بھی کیا کہ کاش عالمِ اسلام کو مرحوم ملک فیصل کی دامنِ عاطفت میں پھر خلافتِ اسلامیہ کا گوہر گم گشتہ مل سکے۔

لاہور کی سربراہ کانفرنس میں تو اس کوہِ وقار و تمکنت کی ادائیں دیکھ کر یہ احساس اور بھی شدّت سے ابھرا، ایسے مواقع پر ان کی شاہانہ تمکنت وعظمت کے ساتھ مومنانہ انکسار و تواضع اور عبدیت میں ڈوبی ہوئی شانِ دلربائی سے دنیا بھر کے اسلامی حکمرانوں میں ان کی انفرادیت اور بھی نمایاں ہو جاتی وہ بظاہر خاموش رہتے مگر دیکھنے والوں سے کہہ رہے ہوتے ؎

من مثالِ لالۂ صحرا ستم
درمیانِ محفلے تنہا ستم

وہ بظاہر بااختیار حکمران تھے مگر لاہور کی بادشاہی مسجد میں رب العالمین کی بارگاہ میں جس اندازِ غلامانہ سے اپنی جبینِ نیاز جھکا رہے تھے اور احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہوکر ماحول سے بے نیاز ہوکر اور سراپا عجز و نیاز بن کر جس انداز میں بارگاہ ایزدی میں اپنے آنسوؤں کے آبدار و تابدار موتی پیش کر رہے تھے وہ ان ہی کا حصّہ تھا۔ اور صدیوں بعد شاہی مسجد کو اپنے معمار اورنگزیب عالمگیرؒ کا نمونہ دیکھنا نصیب ہوسکا تھا۔ ع

ہر ہوسنا کے نداند جام وسندان باختن

اسلامیانِ عالم کی نظریں اس بے مثال اجتماع میں عالمِ اسلام کے قائدین کے اس جنگل میں ہارون الرشیدؒ کی عظمت وسطوت عمر بن عبدالعزیزؒ کا درد و سوز، عالمگیرؒ کا فقر اور جذبۂ علم پروری تلاش کر رہی تھیں۔ اور اسکی کچھ جھلکیاں دکھائی بھی دیں تو شاہ فیصل مرحوم میں، وہ عموماً خاموش رہتے مگر ان کا دل ملّتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کی تمناؤں کا آتش فشاں بنا ہوا تھا۔ اور ان کے چہرہ کی سلوٹیں ملّت کے

درد اور مسئولیت خداوندی کے گہرے احساسات کی غماز ہوتیں، وہ مسلمانوں کے ہر اہم اجتماع میں
اپنی شان بے نیازی شاہانہ عظمت اور مؤمنانہ مسکنت کی وجہ سے میر محفل بن جاتے، شاہوں
کو وہ شاہ لگتے تو علماء عارفین اور فقراء مقربین کو وہ ایک عارف و زاہد ۱۹۶۴ء میں جب وہ سریر
آرائے امارت ہوئے تو زہے نصیب کہ راقم مدینہ طیبہ میں مقیم تھا۔ شاہ سعود کی معزولی اور شاہ فیصل
کی امارت کی اطلاع میں نے مدینہ طیبہ کی اسلامی یونیورسٹی میں سنی جہاں میں اتفاق سے رات کو بعض
دوستوں کے ساتھ ٹھہر گیا تھا۔ اس تبدیلی اور انقلاب سے آس پاس کے چہروں پر فکر کی لہریں دوڑ گئیں
علم اور دین سے وابستہ افراد اور بالخصوص مغربی استعمار سے عداوت رکھنے والے حلقوں میں تشویش
کی فضا پیدا ہوئی، وسوسوں نے انگڑائیاں لیں کہ معلوم نہیں شاہ سعود کے جاری کردہ علم اور دین کے
کارہائے خیر کا کیا بنے گا۔؟ اور نئے حکمران کا رویہ دشمن اسلام امریکہ اور یورپ کے ساتھ کیسا ہوگا۔؟
جس نے سعودی عرب کو کلی طور پر اپنے رحم وکرم سے وابستہ کر رکھا ہے۔ وہ مغرب کے حلیف
سمجھے جاتے تھے۔ مگر بہت جلد انہوں نے ان تمام خدشات کو غلط ثابت کر دیا اور وہ اس معاملہ
میں اپنے پیش رو شاہ سعود سے بھی کہیں زیادہ مدبر، ذہین، معاملہ فہم اور گرم جوش ثابت ہوئے
اور مشرق وسطیٰ کے بحران میں انہوں نے مغربی سامراج کے مقابلہ میں نہایت اعلیٰ، بلند اور مثالی
قائدانہ کردار ادا کیا، اس لئے کہ وہ مرد مومن تھے اور بقول مشہور عرب ادیب امیر شکیب ارسلان:
لایجتمع الاسلام والمیل الی الاستعمار الاوربی فی قلب واحد - اسلام اور مغربی سامراج کی
محبت ہرگز ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد شاہ فیصل نے مغربی استعمار کے عظیم دشمن
صدر ناصر مرحوم سے دوستی قائم کرنے میں بھی تامل نہ کیا، جن کی زندگی برصغیر کے امام حریت مولانا ابوالکلام آزاد
مرحوم کے ان الفاظ کی عملی تفسیر تھی کہ:

> "ہم غاروں میں درندوں سے سمندروں میں مگرمچھوں سے اور بھٹوں میں سانپوں سے صلح
> کر سکتے ہیں لیکن جب تک جزیرۃ العرب کی کسی چپہ زمین پر بھی برطانوی اقتدار باقی ہے
> ہم انگریزوں کیطرف صلح کا ہاتھ بڑھانے کیلئے تیار نہیں۔"

شاہ فیصل نے ۱۹۶۶ء میں صدر ناصر کے ساتھ جمہوریہ یمن کے قیام کے لئے ایک سمجھوتہ پر
دستخط کر دیا۔ وہ اسرائیل سے ہر محاذ پر برسر پیکار ہوگئے اور صیہونیت کے خطرات سے مسلمانوں کو
آگاہ کرتے رہے۔ انہوں نے سیاسی تدبر اور معتدل طبیعت کے ساتھ اپنے مغربی دوستوں پر بھرپور
وار کئے۔ سقوط بیت المقدس کی قیامت اور فلسطین کی غلامی کا سانحہ ان کے لئے سوہان روح بن گیا

تھا۔ اور وہ استخلاص فلسطین اور بیت المقدس کی بازیابی کیلئے سیاسی، جنگی، اقتصادی ہر محاذ پر اپنی بہترین صلاحیتیں استعمال کرنے لگے اس مقصد کے لئے انہوں نے ہر نازک موقعہ پر عرب ممالک کے لئے اپنی بے پناہ دولت کے خزانے کھول دئیے۔ اور گذشتہ جنگ رمضان کے موقع پر تو عملاً بھی جنگ میں کود پڑے اور عالم عرب کے سب سے مؤثر اور کارآمد ہتھیار تیل کو یورپ کے خلاف استعمال کرنے میں تو آپ کو بنیادی رول ادا کرنا پڑا اور بلاشبہ حرب رمضان کی فتح میں شاہ فیصل کا نام سرفہرست رہے گا۔ پھر وہ صرف عالم عرب کیلئے بے چین نہ رہے جس کے اتحاد کے لئے آپ نے لگاتار دورے کئے، بلکہ پوری دنیائے اسلام کے اتحاد کا فکر انہیں دامنگیر تھا وہ کسی فیڈریشن پر مبنی جزوی یا علاقائی اتحاد پر نہیں بلکہ عقیدہ اور نظریہ کی راسخ بنیادوں پر مبنی وسیع اور مضبوط اسلامی اتحاد کے علمبردار تھے۔ اور اس اتحاد کے مبلغ بن کر وہ راشد التضامن الاسلامی۔ کہلائے ان کے اتحاد عالم اسلام کے مساعی کا سلسلہ مغرب کی رباط کانفرنس اور اسلامی سیکرٹریٹ سے لیکر مشرق کی لاہور کانفرنس تک دراز ہے۔ ان سٹیجوں پر عالم اسلام کو جمع کرنے میں آپ کا بنیادی حصہ ہے۔ وہ ایک طرف مصر سے مراسم مضبوط کرتے چلے گئے دوسری طرف اتحاد کے خطوط پر خلیج کی ریاستوں بالخصوص ابوظہبی کے شیخ زائد سے مصالحت کے رشتے نکال لائے پاکستان اور افغانستان کی غلط فہمیاں دور کرنے کیلئے اپنے قاصد دوڑائے۔ لیبیا اور مصر کو آپس میں قریب رکھنے کی سعی کی، عراق اور ایران کی صلح پر انہیں بے حد مسرت ہوئی اور پاکستان کے افتراق و انتشار اور بنگلہ دیش کی شکل میں دو لخت ہو جانے پر انہوں نے آنسو بہائے۔ رباط کانفرنس میں شاہ حسین کو فلسطین کی نمائندہ تنظیم آزادی کو تسلیم کرنے پر آمادہ کیا ـــــ۔

الغرض! عالم اسلام پر جہاں کوئی افتاد پڑتی وہ بے دریغ اپنی جانی اور مالی مدد کے ساتھ پہنچ جاتے۔ پاکستان کے حالیہ زلزلہ میں انہوں نے بہت بڑی مدد کی ان سب باتوں کے علاوہ وہ نہ صرف اسلامی ممالک بلکہ جہاں کہیں بھی مسلمانوں کی تھوڑی بہت آبادی تھی۔ ان کی سیاسی، تمدنی، دینی اور ثقافتی تحفظ اور سرپرستی میں پیش پیش ہوتے۔ اور ان کی علمی دینی اور ثقافتی ضروریات، مسجد مدرسہ لائبریری تعلیمی مراکز کے قیام میں کروڑوں ریال خرچ کرتے، رابطۂ عالم اسلامی کے ذریعہ علم اور دین کی اشاعت، اقلیتی مسلمانوں کے حقوق کی جدوجہد، تبلیغی اور ثقافتی وفود کی ترسیل، اور اسلامی مراکز کا قیام ان کے عظیم الشان صدقات جاریہ میں سے ہیں۔ مغربی اثرات اور شیوعیۃ کے اثر و نفوذ کے تدارک کا آپ کو خاص اہتمام تھا۔ اسلام کے خلاف علم اور ثقافت کے میدانوں میں در پردہ صیہونی اور استعماری

سازشوں سے آپ فکر مند رہتے۔ اسلامی لبادہ اوڑھے ہوئے فرقوں اور فتنوں کے انسداد کے لئے بے چین رہتے، قادیانیت، صیہونیت، بہائیت، اشتراکیت، شیوعیۃ، ماڈرنزم، تجدد اور اباحیت کے خلاف رابطہ کے ذریعہ قرار دادیں پاس کروائیں اور دوسرے ذرائع سے بھی پوری دنیا میں ان فتنوں کا تعاقب کرتے رہے۔ کتاب وسنت اور ان سے متعلقہ علوم کی اشاعت اور ترویج پر خزانے کا ایک بڑا حصہ خرچ کرتے رہے۔ انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں اپنی سلطنت کی پسماندگی کو ترقی اور خوشحالی سے ایسا بدل دیا کہ باہر کے لوگ حیران رہ جاتے۔ حجاج کرام کے لئے وہ تمام سہولتیں مہیا فرمائیں جو ممکن ہوسکتی تھیں اور حرمین الشریفین کی تعمیر و توسیع کیلئے جو کچھ کیا اس کا اندازہ لاکھوں زائرین و حجاج ہر سال خود لگا سکتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں اب تک اس کی مثال نہیں ملتی۔

یہ سب کچھ انہوں نے کیا مگر دوسرے فانی انسانوں کی طرح انہیں بھی رب کے بلاوے پر لبیک کہنا تھا۔ اور انہوں نے اجابت دعوت میں جام شہادت نوش کیا۔ آپ نے پیچھے ذکر خیر اعلیٰ کردار اور صدقات جاریہ کی ایک دنیا چھوڑ دی۔ مگر آج عالم عرب ایسے عالم میں انہیں ڈھونڈ رہا ہے کہ اسرائیل اور مغربی سامراج کے خطرات سر پر منڈلا رہے ہیں۔ استبداد کا عفریت منہ کھولے ہوئے ہے۔ عالم اسلام ایسے عالم میں ان پر نوحہ کناں ہے۔ کہ ان کا شیرازہ سمٹنے نہیں سمٹ رہا۔ علماء اور دینی مراکز اس عالم میں مرثیہ خوان ہیں کہ ابھی اس سلطانِ علم و دین کے عواطف علم وفضل کی بے حد ضرورت تھی۔ مگر وہ خادم الحرمین وہ رائد التضامن الاسلامی، وہ جلالۃ الملک فیصل المعظم جو اس دورِ زوال وپستی میں مرکزِ مسلمین بننے کے سزاوار تھے، جن کیطرف غیر شعوری طور پر نظریں اٹھنے لگی تھیں، جو کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بنتے جا رہے تھے۔ یکایک دنیا سے روپوش ہوگئے۔

خوش درخشید و لے دولت مستعجل بود

اب یہ ان کے جانشینوں اور نجد و حجاز کے غیور اور بہادر بادیہ پیما عربوں کا کام ہے کہ شاہ مرحوم کے عظیم مقاصد عظیم ارادوں اور مقدس مشن کو ہر لحاظ سے جاری وساری رکھیں اور اگر وہ ان کا مشن، ان کا جذبہ ان کا درد و سوز اور ان کا مؤمنانہ کردار زندہ رکھ سکے۔ تو شاہ مرحوم نہ صرف زندہ بلکہ زندہ جاوید ہوں گے ۔

خلوص و ہمت اہل چمن پہ ہے موقوف کہ شاخ خشک میں پھر سے برگ و بار آئے

ربنا افرغ علینا صبراً وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرین۔

بہائیت اور عالم عرب کی نہایت اہم قرارداد

قاہرہ سے عرب لیگ نے اسرائیل سے ہر شعبہ زندگی میں بائیکاٹ کے اداروں ــــــ مکاتب المقاطعۃ العربیۃ لاسرائیل ــــ کی طرف سے اپنی ایک نہایت اہم اور قابل توجہ قرارداد نشر کی ہے، جو سارے اسلامی ممالک کی فوری توجہ کی مستحق ہے۔ قرارداد میں کہا گیا ہے کہ بہائی فرقہ کے بارہ میں ایسے قطعی شواہد مل چکے ہیں کہ وہ درپردہ عالم عرب اور مسلمانوں کے خلاف اسرائیل اور صیہونیت کا آلہ کار ہے۔ اور اسرائیل میں قائم کردہ اپنے مرکز کے ذریعہ پورے عالم عرب میں سازشوں کا جال بچھا رہا ہے۔ یہ لوگ اسرائیل کی مالی مدد بھی کرتے ہیں۔ قرارداد میں بہائیت کو قطعی غیر اسلامی صیہونی فرقہ قرار دیتے ہوئے بلیک لسٹ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اور عرب ممالک میں اسکی تمام سرگرمیوں پر پابندی لگانے کا کہا گیا ہے۔ عرب پریس اور علمی و سیاسی شخصیتوں نے اس قرارداد کا بجا طور پر زبردست خیر مقدم کیا ہے۔ سعودی عرب اور رابطہ عالم اسلامی نے اس بروقت تنبیہہ پر عرب لیگ کے جنرل سیکرٹری اور برسر پیکار عرب اداروں کو مبارکباد دی ہے۔ اس سے قبل پچھلے سال مکہ مکرمہ میں دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں نے بھی اپنے اجلاس اپریل ۷۴ء میں بہائیت کے بارہ میں ایسی ہی واضح اور غیر مبہم قرارداد میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا تھا۔ کہ بہائی تنظیم کے تمام مراکز، لٹریچر اور سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے۔ اس اجلاس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت اور ان سے کلی مقاطعہ کرنے کی وہ تاریخی قرارداد بھی پاس ہوئی تھی جو بعد میں قادیانی تحریک کے دوران مسلمانوں کے کاز کو تقویت پہنچانے کا باعث بنی عرب پریس بہائیت کے بارہ میں اس قرارداد پر بحث کرتے ہوئے اس فرقہ کی بہت سی صیہونی اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے پردہ اٹھا رہی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بہائی فرقہ ایک مذہب اور فرقہ ہے بھی نہیں بلکہ دراصل وہ اس پردہ میں اسلام اور عالم اسلام کے خلاف صیہونی پروٹوکولات اور سامراجی و یہودی منصوبوں کی تکمیل ہی کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہی منصوبے ہیں جو ایک طرف تو عالمی تنظیم فری میسن روٹری کلب، لائنز کلب، غیر مسلم مشنری اداروں، فحش جنسی لٹریچر اور استشراق و تحقیق کے نام نہاد اداروں کی شکل میں مسلمانوں میں انسانی اور اخلاقی قدروں کی تباہی، فکری انتشار و اختلاف سیاسی ضعف و اضمحلال برپا کرنے میں مصروف ہیں تو دوسری طرف بہائیت، قادیانیت اور اس طرح کی کئی ایک فرقوں اور جماعتوں کے لبادہ میں ملت مسلمہ پر شبخون کا کام کرتے ہیں۔ بہائیت کے آغاز، محرکات عقائد و اعمال اور سرگرمیوں میں گئے بغیر ایک سطحی نظر سے بھی اس کے اصل عزائم

اور مقاصد کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ بہائیت نے شیعیت سے جنم لیا اور اس کے بانی مرزا علی محمد باب شیرازی (۱۸۲۰ء) نے شیعی غلو محبت اور اعتقاد کی آڑ لیکر اس مذہب کو فروغ دیا۔ اور عقائد و اعمال اوہام و خرافات کا ایک ایسا معجون مرکب تیار کر کے پیش کیا جسے اسلام سے تو کیا کسی بھی آسمانی مذہب کے دعویدار نظامِ ہدایت و ارشاد سے دور کا بھی تعلق نہ رہا۔ چونکہ اس کی تاسیس ہی درحقیقت مذہب کی آڑ میں مسلمانوں کی عداوت پر رکھی گئی تھی تو اس کے علمبرداروں نے بھی کسی اخلاقی مجد و شرف، انسانی اقدار، شرافت، عقل و فکر کی پختگی، عقیدہ و عمل کی اصابت کا لحاظ کئے بغیر اس ملغوبہ میں ہر وہ عنصر شامل کر دیا جو کسی نہ کسی طرح بھی اخلاقی و مذہبی اقدار سے باغی اباحیت زدہ انسانوں کیلئے باعث کشش بن سکے اس سلسلہ میں حیا، شرافت، حلال و حرام، جائز و ناجائز، عقیدہ اور اوہام، عقل اور سخافت کا کوئی سوال نہ تھا۔ اباحیت کے مارے ہوئے یہود و نصاریٰ نے اسے اپنی تشنگی کا علاج اور صیہونیت و استعمار نے اسے مسلمانوں کے خلاف شرمناک مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ سمجھا اور اس طرح وہ مغرب کے یہود و نصاریٰ مشرق کی مجوسی اور مریض ذہنیتوں کا مرکز نظر بن گیا اہل یورپ دھڑا دھڑ اس میں شامل ہونے لگے مشہور مستشرق گولڈ زیہر کا اعتراف ہے کہ :

امریکہ میں قائم ہونے والی علمی اور ادبی انجمنوں نے اس کے اصول و ضوابط کے استحکام و فروغ میں نہایت بھرپور حصہ لیا۔ (انہی اصول و ضوابط کے استحکام نے ہمارے ہاں روٹری کلب اور لائنز کلب جیسی انجمنوں کا روپ دھار لیا۔ راقم) طبعی طور پر بہائیت اپنے سرپرستوں کے دیس امریکہ کے دور افتادہ علاقوں تک پھیل گئی اور شکاگو کو مرکز بنا لیا گیا۔ (العقیدہ والشریعۃ ص ۲۵)

پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کے بعد عالمی استعمار کو عالمِ اسلام کی بیداری سے خطرہ لاحق ہوا تو ٹھیک یہی زمانہ دنیا میں بہائیت کے فروغ اور ترویج کے لئے نہایت سازگار ثابت ہوا، کافی عرصہ قبل جب حکومت مصر کے سامنے اس فرقہ کی غیر اسلامی، غیر انسانی اور صیہونی تصویر آگئی تو وہاں کے محکمۂ قضا یہاں تک کہ پارلیمنٹ اور وزارتِ داخلہ نے بھی اس فرقہ کو پر امن اور مسلمان شہریوں کے حقوق دینے سے انکار کر دیا۔

اب جبکہ عالمِ عرب کی نہایت اہم کمان عرب لیگ نے اتنی ذمہ داری سے بہائیت سے عرب ممالک کو متنبہ کرایا ہے۔ تو اس کے پاس قطعی اور کھلے شواہد ہوں گے۔ (گنجائش ہوتی تو ہم خود بھی اس کی نقاب کشائی میں تفصیل میں جاتے۔) تو نہ صرف عالمِ عرب بلکہ تمام اسلامی حکومتوں کی غیرت ملی، حمیت دینی اور قومی و سیاسی مقاصد کا تقاضا ہے کہ اس قرار داد پر لبیک کہتے ہوئے بہائیت کی

تمام دعوتی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں کو ملیامیٹ کرکے رکھ دیا جائے۔ عرب پریس میں اس قرارداد کے ساتھ فری میسن، روٹری اور لائنز کلب کا بھی ذکر آرہا ہے اور قادیانیت کی ریشہ دوانیوں کا بھی، اول الذکر پر پاکستان میں رسمی اور قانونی پابندی لگ چکی ہے۔ گو اس کی سرگرمیاں اب تک جاری اور مشتبہ ہیں، روٹری اور لائنز کلب کا مسئلہ بھی ۵ جولائی ۱۹۷۳ء کو قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی قرارداد کی ضمن میں زیر بحث آیا تو حکومت نے انہیں علمی اور ثقافتی ادارے قرار دیتے ہوئے ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ مگر اب جبکہ ان اداروں اور فرقوں کی سرگرمیاں پورے عالم اسلام کے لئے لمحۂ فکریہ بن چکی ہیں تو حکومت کو بھی نہایت دانشمندی سے ان اداروں کے بارہ میں نظرثانی کرنی چاہیئے، بدقسمتی سے ہمارا ملک ان تمام ملت کش عناصر کے لئے نہایت زرخیز ثابت ہورہا ہے اور بہائی فرقہ بھی منظم شکل میں اپنی کوششوں میں مصروف ہے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں اس کے مراکز ہیں اور لٹریچر تقسیم ہورہا ہے۔ کراچی، لاہور، لائل پور میں اسکی تبلیغی سرگرمیاں زوروں پر ہیں اب حکومت اور تمام اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ ایسے تمام عناصر کا قلع قمع کردے جو مار آستین بن کر ملک وملت کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہیں۔

حکومت کو بارہا توجہ دلائی جاچکی ہے کہ مرزائی دستور ساز اسمبلی کے متفقہ آئینی فیصلہ کو چیلنج کررہے ہیں۔ اب جبکہ قادیانیوں کے سرکاری آرگن الفضل ۱۷ مارچ ۱۹۷۵ء نے علی الاعلان اس فیصلہ کو تسلیم نہ کرنے کا اعلان کیا ہے اور یہ اعلان نوائے وقت لاہور ۲۲ مارچ میں بھی آچکا ہے۔ ادھر ظفراللہ قادیانی نے بھی اپنے حالیہ مضامین میں اس آئینی ترمیم کو ٹھکرا دیا ہے۔ تو اب یہ وضاحت کرنا حکومت کا کام ہے کہ ایسے اعلانات اور سرگرمیاں دستوریہ کی توہین اور آئین سے غداری اور بغاوت کے زمرہ میں آتی ہیں یا نہیں۔؟ اور اب یہ فیصلہ بھی کہ بھٹو صاحب پاسبانِ ختم نبوت ہیں یا محافظِ مرزائیت، ایسے اعلانات کے بارہ میں بھٹو صاحب کے ردعمل اور آئندہ اقدامات پر موقوف ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق

۱۳ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

ضبط و ترتیب : ادارۃ الحق

حقیقتِ ایمان و عبادت

خطبۂ جمعۃ المبارک ۲۳ صفر ۱۳۹۵ھ

(خطبۂ مسنونہ کے بعد) وقضی ربک ان لاتعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ من کان للہ کان اللہ لہ اوکما قال علیہ السلام۔

محترم بزرگو! مسلمان اس وقت تک اللہ کی معیت و نصرت سے مالامال رہا جب تک اس نے دین کو مضبوط پکڑے رکھا اور اللہ پر اس کا ایمان تھا۔ اور اخلاقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اس نے اختیار کئے تھے، اور طرزِ زندگی تمدن اور معشیت میں وہ مذہب کا پابند تھا۔ یہ سب چیزیں مذہب کے مطابق اور اسلامی تھیں تو جدھر بھی ان کا رخ ہوتا وہ کامیاب ہوتے، اس لئے کہ اللہ پر بھروسہ تھا اس کے سامنے گردن نہاد تھے، یہ ہے ایمان، ایمان۔ صرف یہ نہیں کہ دل میں اللہ کو ایک جانے سارے کمالات کا منبع ذاتِ خداوندی کو جاننا۔ صرف اس علم اور معرفت سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا۔ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کو محبت ہے اور وہ خدمت بھی کرے تو صرف اسی بناء پر بھی مسلمان نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ صرف معرفت اور صرف علم یہ ایمان نہیں نہیں نہ صرف خدمت کرنا ایمان ہے، صرف یہ یقین دل میں آگیا کہ واقعی آپ رسول ہیں، اس سے بھی مومن نہیں ہو سکتا حضرت موسیٰؑ فرعون کے مقابلے میں آئے نشانیاں پیش کیں۔ دلائل نبوت پیش کئے۔ اس نے کہا، تو جادوگر ہے۔ یہ تو آپ نے جادو کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا: لقد علمت ما انزل ھؤلاء الا رب السمٰوٰت والارض بصائر۔ ارے فرعون تو خوب سمجھتا ہے، جانتا ہے کہ یہ جو نشانیاں اور جو دلائل اور معجزات پیش ہوئے۔ یہ رب السمٰوٰت والارض نے نازل کئے ہیں۔ اس پر آپ کو علم ہے۔ کہ دلائل قدرت ہیں۔ اگر اسے علم نہ ہوتا تو پیغمبر کیب کہتے اور خدا کیوں اس جملہ کو نقل فرماتا۔ تو صرف علم

پر نہیں کہ کوئی اعتراف کرے کہ اللہ ایک ہے اور مجھے معلوم ہے کہ خدا سارے کمالات اور اچھی صفات پر متصف ہے۔ اس بات سے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے کہ تو خوب جانتا ہے کہ خدا ایک ہے اور جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ اللہ ہی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے زمانے کے منکرین کے بارہ میں فرمایا: الذین اٰتینٰھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم۔ کہ یہ ایک اہل کتاب اللہ کو جانتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہیں کہ یہ حق ہے۔ رسول ہے۔ اور یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی پیشگوئیاں کتب سابقہ میں موجود ہیں یعرفونہ خوب جانتے ہیں جیسا کوئی شخص اپنے بیٹوں کے بارہ میں شبہ نہیں کر سکتا، نہ اجنبی کو بیٹا سمجھتا ہے نہ بیٹے کو اجنبی، اس طرح اہل کتاب جانتے ہیں۔ مگر پھر بھی کافر ہیں جہنمی ہیں۔ انہیں یقین بھی تھا کہ آپ سچے رسول ہیں ـــــــ

وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم ظلما۔ فرعونیوں نے انکار کیا ان کا یقین تھا، دل میں یقین تھا۔ مگر انکار کر بیٹھے۔ تو ایمان صرف اس علم سے عبارت نہیں۔ آج بھی کہتے ہیں کہ جانتا ہوں مولوی صاحب ہمیں کیا مسئلے سنا رہے ہو۔ تو فرعون بھی جانتا تھا کہ موسیٰ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ آیات معجزات ہیں۔ مگر بڑا کافر ٹھہرا۔ اہل کتاب بھی حضورؐ کو جانتے تھے مگر صرف جاننے سے مسلمان نہ کہلا سکے۔

اور صرف محبت اور صرف خدمت سے بھی کام نہیں ہوتا۔ ایمان ایک بہت بڑا جوہر ہے۔ اس کے بغیر کام نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابو طالب حضورؐ کے چچا تھے۔ حضورؐ سے بے حد پیار و محبت تھا۔ کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مسلمانوں میں سب سے بڑھ کر محبت ابوبکر صدیقؓ کو تھی۔ اور ایمان نہ لانے والوں میں سب سے زیادہ ابو طالب کی حضورؐ کی طفولیت سے لیکر اپنی وفات تک کفار سے مقابلہ کرتے رہے، قید و صعوبتیں گزاریں، تین سال تک شعب ابو طالب میں قید رہے۔ حضور اقدسؐ کی وجہ سے تکالیف اٹھائیں، بھوک پیاس کی جیل، آج جیسی جیل نہیں۔ بلکہ دانہ پانی سب کچھ بند رہا۔

الغرض ہر قسم کی شفقت و محبت اور نصرت ابو طالب نے کی ہے۔ حضورؐ معصوم بچے تھے کاندھوں پر اٹھائے رکھا گود میں پالا۔ مگر ایمان نہ تھا۔ تو حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ ابو طالب جہنم میں ہے۔ اور مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں بھی درجات ہیں گویا اے کلاس۔ بی کلاس۔ سی کلاس جیسے درجے ہیں۔ اے کلاس والوں کو مشقت نہیں ہوتی اچھا کھانا پینا ملتا ہے اچھی رہائش اور خادم وغیرہ ہوتے ہیں۔ مگر ہے وہ جیل ہی۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ ابو طالب کے صرف جوتوں کے تسمے آگ کے ہیں۔ اور باقی جسم پر آگ نہیں مگر ہے تو وہ جہنم کی آگ۔ اللہ تعالیٰ ہم اور آپ سب کو محفوظ

دیکھے۔ دنیا کی آگ سے سوگنا زیادہ تیز ہے۔ اس کا ایک ذرہ بھی دنیا پر ظاہر ہو تو ساری دنیا بھسم ہو کر رہ جائے۔ تو اس تسمہ نار کی وجہ سے بھی ابو طالب کا دماغ کھول رہا ہے، جیسے دیگچہ میں آگ پر پانی کھولتا ہو۔ ان تسموں کا بھی اتنا شدید اثر ہے۔ مگر باقی بدن آگ سے بچا ہوا ہے۔ علماء نے یہ نکتہ بھی بیان کیا کہ باقی جسم کے بچنے کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ بچپن میں آپ کی گود میں رہے۔ بچے کو کبھی سر پر اٹھاتے ہیں، کبھی پیٹھ پر کبھی کاندھوں پر کبھی ساتھ سلایا جاتا ہے۔ تو جسم سے بچہ لگتا رہتا ہے۔ تو چونکہ جسم کا اکثر حصہ حضورؐ اطہر کے جسم سے مس ہوا ہے۔ قدمیں بچے رہتے ہیں۔ اور ویسے بھی بچپن سے ابو طالب حضور اقدسؐ کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ انہوں نے حضورؐ کے بارہ میں اشعار کہے ہے

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

بارش نہ ہوتی تو آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بچے تھے آپ انہیں لے آتے خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیتے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے کہ یا اللہ اس بچے اور اس کے نورانی چہرہ کی برکت سے ہم پر بارش برسا، اس نورانی چہرہ کی طفیل وبرکت سے بارش ہو جاتی تو بچپن سے ان کے دل میں عزت اور احترام تھا۔ مگر جب مرنے لگے، حضور اقدسؐ پاس آئے، ابو جہل وغیرہ بیٹھے تھے، سارا کنبہ تھا کہ گاؤں کا بزرگ قریب المرگ تھا۔ تو حضورؐ نے کہا کہ چپکے سے اگر ایک بات کہہ دو تو اللہ تعالیٰ جہنم سے بچا دے گا۔ اور میرے لئے شفاعت کی ایک بڑی دلیل مل جائے گی، ذرا میرے کان میں کہہ دو لا الہ الا اللہ۔ فرمایا، بھتیجے! خوب جانتا ہوں کہ تو نبی ہے۔ مگر اب اگر ایمان لایا تو لوگ کہیں گے کہ یہ بوڑھا موت کے وقت ڈر گیا اور باپ دادا کے دین سے تائب ہو گیا۔ قریش کی بوڑھی عورتیں مجھ پر ہنسیں گی، اس لئے میں اپنے پرانے مذہب پر ٹھیک ہوں۔ تو محبت بھی تھی خدمت بھی ہے مگر ایمان صرف علم اور صرف معرفت نہیں، جب تخم نہ ہو تو ساری زندگی زمیندار کھیت کو پانی دے، کھاد ڈالتا رہے مگر اس پانی، اس کھاد سے اس خدمت سے درخت اور پودا نہیں اگتا تخم ہو تو درخت کے پتے اور شاخ خشک بھی ہوں مگر جب تخم ہے، جڑیں ہیں تو بہار کے آتے ہی سرسبزی اور شادابی آجاتی ہے۔ خشک شاخیں تر و تازہ ہو جاتی ہیں۔ اگر ایمان ہو اور کوئی فاسق وفاجر بھی ہو مگر توبہ اور استغفار کی بہار جب اس پر آجائے اور وہ خدا کے سامنے رویا عبادت شروع کر دی تو خشک شاخیں تازہ ہو جائیں، دو آنسو اور دو قطروں سے خشک درخت لہلہا اٹھے گا۔ اور تخم نہ ہو ایمان کا تخم نہ ہو تو پھر کوئی کام کوئی عمل آخرت میں انسان کو فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ زیادہ سے زیادہ جہنم میں اسے بس اسی کا فرق آجائے تو آجائے، وہ الگ بات ہے۔

ایمان کیا ہے ؟ تو ایمان صرف زبانی اعتراف یا یقین و معرفت نہیں ، ایمان کا معنی انقیاد گرویدن گردن نہادن ہے ۔ کیفیت لاحقہ با لعلم ہے ۔ یعنی علم کے بعد ایک کیفیت ہے ۔ ہمارے پٹھان کہتے ہیں کہ مولوی صاحب ٹھیک کہتے ہو جو کہتا ہے خوب جانتا ہوں کہ ٹھیک ہے مگر میری پشتو مجھے ماننے نہیں دیتی ، پشتون ہوں ، لڑوں گا اور دیکھوں گا ۔۔۔ تو ایمان یہ ہے کہ خوب جاننے اور جاننے کے بعد ماننے بھی ، گردن نہاد ہو جائے ۔ غیر اللہ سے توجہ ہٹا کر مکمل متوجہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کی طرف ، اور دل و جان سے یہ تسلیم کرے کہ میں فرمانبردار اور بھی رہوں گا ، جسے انقیاد تام اور گردن باطاعت نہادن کہتے ہیں ۔ رگ و ریشہ میں اللہ اور رسول کی محبت راسخ ہو جائے اور صرف محبت نہیں بلکہ وہ ۔۔۔ مردہ بدست غاسل ۔۔۔ ہو جائے یہ ایمان ہے ۔ یہ نہیں کہ کہے کہ خدا ایک ہے مگر معاملہ اس کے ساتھ ایک رب جیسا نہیں ، پس وہ کفر ہے ۔

حضرت موسیٰؑ نے کہا : لَقَدْ علمت ۔ اللہ نے کہا : ۔ فرعون کا دل میں یقین تھا کہ سچا نبی ہے ۔ انکار جہل کی وجہ سے نہیں عداوت اور تعصب کی وجہ سے کرتا ہے ۔ تو ایمان سے محروم رہا جو ایک بہت بڑا جوہر ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا نصیب کر دے ۔ اور ایک ایمان ہے اور ایک اسلام ہے ایمان جڑ ہے اور حج زکوٰۃ نماز اور دیگر نیکیاں یہ پھل اور شاخ ہیں ۔ یہ اسلام کہلاتی ہیں اسلام ظاہری چیز ہے ، ایمان دل کی چیز ہے ۔ دل مکمل طور پر اللہ کا فرمانبردار بن جائے ، جاننے اور ماننے کہ اللہ تعالیٰ سارے کمالات کا مرکز اور منبع ہے ۔ ہر چیز اُس سے مانگوں گا ۔ اللہ حاکم ہے ہر حکم اس کا مانوں گا ۔ اور حسد و عناد میں دل کی تنگی سے نہیں خوشی سے ماننے ، اور ایمان بالکل اس طرح جڑ ہے جیسے کسی درخت کی جڑ ہو ، زمین میں ، اُس کی شاخیں پتے پھل پھول باہر ہوتے ہیں ۔ اگر کسی درخت میں یہ سب کچھ ہے ، تر و تازگی بھی ہے اور تم اوپر سے پانی ڈالتے رہو مگر اندر سے جڑیں کاٹ دو ، پھل پھول پتے سب جھڑ جائیں گے اور اگر شاخیں پتے نہ بھی ہوں مگر جڑیں راسخ ہوں ۔ تو جب کہ اس کی آبیاری ہو جائے بہار اس پر آجائے گی توقع اور امید قائم رہتی ہے کہ تراوت موجود ہے ۔ حیات موجود ہے اگر ایمان نہ ہو ، بظاہر حاجی ہو ، صائم ہو مگر ایک نہ ایک دن یہ سب کچھ چھوڑ جائے گا ۔ قیامت کے دن اس کے سارے اعمال حسنہ ھباءً منثوراً کر دئے جائیں گے ۔

بھائیو ! ایمان دل سے یہ کہہ دیتا ہے کہ یا اللہ میں آپ کے ہر حکم کے سامنے گردن نہاد ہوں میرے رگ و ریشہ میں آپ کی محبت ہے ، میں ہر لحاظ سے آپ کی تابعداری کروں گا ۔ آپ کا غلام رہوں گا ۔ اور ماننا بھی ایسا کہ محبت بھی ہو دل کی بشاشت بھی ہو ۔ اگر پیشانی پر بل ہیں ، دل میں تنگی ہے تو ایسی غلامی

قبول نہیں، بلکہ عربی میں انقیاد و تسلیم فارسی میں گردن باطاعت نہادن یا گردیدان اور پشتو میں منل او کول جیسے کہتے ہیں، خدا ایک ہے۔ میں مانتا ہوں، میں مانوں گا۔ اور جو اس کے احکام ہیں اسے بجا لاؤں گا۔ خدا اور رسول کے احکام کے سامنے اپنے آپ کو ایسا کر دے جیسا مردہ بدست غاسل۔ میری کوئی رائے نہیں، حرکت نہیں، سرتابی کی مجال نہیں، وہی کروں گا جو خدا کہے گا، بس یہی ایمان ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ فلا وربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ (اے نبی تیرے رب کی قسم کہ یہ لوگ جب تک آپ کو اپنے تمام اختلافی مسائل خاندانی اور بیرونی جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ کر دیں تیرے پاس اپنے مسائل نہ لائیں اور اس کے بعد کھلے دل سے آپ کے فیصلے پر سر تسلیم خم نہ کر دیں۔ اور دل میں کوئی تنگی نہ آنے دیں اس وقت تک یہ ہرگز مؤمن نہیں کہلا سکے۔)

آج تو ایسی ایسی جاہلانہ باتیں کی جاتی ہیں کہ خدا کی پناہ، پشتو میں کہتے ہیں: شریعت خہ دے خو د خوشوانانو نہ دے۔ (شریعت اچھی چیز ہے مگر اچھے جوانوں کے لئے نہیں) تو کیا شریعت کنجروں غنڈوں کے لئے ہے۔ کافروں کے لئے ہے، خدا کا حکم آجائے تو پیشانی پر بل آجائیں، ترش روئی سے سنے، یہ تو اسلام نہیں، پہلے آکر پوچھتے ہیں کہ شریعت پر فیصلہ کرانا ہے۔ اگر فیصلہ میرے حق میں ہے تو ٹھیک ہے ورنہ عدالت چلا جاؤں گا۔ اگر فیصلہ خلاف پڑتا ہے تو نہ فیصلے کرانے کو تیار ہوتا ہے نہ ماننے کو اگر فیصلہ شریعت کا خلاف ہوا تو گالی گلوچ کرے کہ شریعت نے ظلم کیا قاضی اور مولوی نے رشوت لی ہو گی اور جنہیں آج کل اصلی نفرت شریعت اور دین سے ہے۔ وہ مولوی اور قاضی کی آڑ میں اپنی نفرت نکالتے ہیں۔ شریعت کو گالی دے نہیں سکتا تو مولوی کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ ملا پر سب و شتم ہوتی ہے۔ اس طرح دل کی بھڑاس اسلام اور شریعت کے خلاف نکال دی جاتی ہے۔ اور مولوی اس لئے برا لگتا ہے کہ وہ دین کی بات کرتا ہے اور اصل میں اسے نفرت ہے دین سے، لیکن خدا نے کہا کہ جب تک خدا اور رسول کے فیصلوں پر گردن نہادنہ ہوگا۔ سر تسلیم خم نہیں کرے گا اگر فیصلہ خلاف بھی ہو تو دل میں بھی تنگی نہیں لائے گا۔ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ صرف یہی نہیں شریعت کا فیصلہ اپنے خلاف سن کر بھی مسلمان کو اللہ کی حمد ادا کرنی چاہیئے کہ الحمد للہ۔ جیسے کہ نماز پڑھ کر باغ باغ ہو جاتا ہے۔ اس طرح اگر شرعی فیصلہ میں دس بیس جریب زمین ہار بھی دے گا۔ مگر دل خوش ہوگا کہ الحمد للہ حرام سے دوزخ سے بچ گیا

اور الحمد للہ کہ میں نے شریعت کا فیصلہ مان لیا، پھر یہ کہ اللہ پر بھروسہ بھی ہے تو دل ہر وقت

خوش و مطمئن ہے کبھی اسے بے اطمینانی اور بے چینی نہیں آتی۔ مثال کے طور پہ پولیس کا ایک سپاہی ہے۔ اور سارے غنڈوں، مفروروں کے پیچھے اکیلا بڑی جرأت اور دلاوری سے بھاگتا پھرتا ہے۔ کوئی تلوار ہتھیار ہاتھ میں نہیں۔ صرف ایک فرمان شاہی ہے۔ کہ یہ سرکاری تحفظ میں ہے تو اکیلے ہزاروں غنڈوں کو بھگاتا ہے۔ ایک ڈاکیہ کے ساتھ ہزاروں روپے کا تھیلہ ہے۔ بدمعاشوں میں الگ تھلگ گھومتا پھرتا ہے۔ کوئی اسے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے کہ اب پوری حکومت اس کی پشت پر ہے، مجال ہے اسے کوئی اوپر بھی دیکھے ورنہ فوج اور پولیس اسکی مدد کے لئے آجائے گی۔ ڈاکیہ کو اپنی حکومت پر بھروسہ ہے۔ اس لئے ہر خطرے میں مطمئن جا رہا ہے۔ تو اب جس کا خدا پر اعتماد اور بھروسہ ہوگا۔ تو کیا اس میں بے قراری اور بے اطمینانی آسکتی ہے۔ جبکہ رب العالمین اس کیساتھ ہے، پھر اسے کیا خوف اور کیا ڈر۔ یہ دولتمند اور کروڑپتی آج بے چین ہیں۔ گھنٹوں میں ہزاروں لاکھوں آمدنی ہوتی ہے۔ مغرب کے بڑے بڑے کروڑپتی تھے۔ مگر دو وقت کھانا بھی اس دولت میں نصیب نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ ساری دولت کو دیکر بھی دل کا اطمینان خریدنا چاہتے ہیں، مگر نہیں مل سکتا، کسی نے ایک امیر سے ذکر کیا کہ تجھے اتنی ترقیات ملیں۔ قسم قسم کے کارخانے وسیع و عریض سلطنت اور کاروبار، پھر تمہیں کیا فکر۔ کہا یہ سب صحیح مگر دل کا سرور اور دل کا اطمینان دیکر میں نے یہ سب کچھ پایا بھی تو کیا۔

— تو مسلمان کا بھروسہ تو اللہ پر ہے وہ مطمئن نہ ہوگا تو کون ہوگا۔ ایک شخص کے صوبہ کے وزیر اعلیٰ یا دوسرے حاکم سے ربط ہے تعلق ہے۔ تو وہ مطمئن ہے۔ کہ کسی نے آنکھ بھی اٹھائی تو وہ ٹھیک کر دے گا جس سے دوستی ہے۔ تو اب جس کی دوستی خدا سے ہوگی وہ بھی ڈرے گا نہیں، بالکل مطمئن پھرتا رہے گا۔ ارشاد خداوندی ہے: الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ (خدا کی یاد سے ہی قلب مطمئن ہوتا ہے۔ صرف اور صرف اسکی یاد سے۔)

— تو اسکی یاد ایسی ہو کہ یا اللہ تو تو میرا خالق ہے۔ تو ہر چیز کا مالک ہے۔ یا اللہ میں نے سب کچھ تیرے سپرد کر دیا۔ اور منقاد ہو گیا۔ پورے رگ و ریشہ میں تیرا ہی حکم اور محبت راسخ ہوگا۔ تیرے ہر حکم پر خوش ہوتا رہوں گا۔ اور تجھ ہی پر بھروسہ ہے۔ بس یہ ہے ایمان۔ اور جب ایمان آگیا تو تم دیکھو گے کہ مصیبت بھی ہوئی کہے گا کہ خدا کو منظور تھا۔ دولت گئی خوش ہوگا کہ محبوب کی مرضی ہے۔ اب اس کے دل میں ایسی تنگی کب آئے گی کہ یہ معاملہ میرے ساتھ اللہ نے کیوں کیا۔؟ کیا تو ہر معاملہ اس کا مجھے منظور ہے۔ دل و جان سے راضی ہوں۔ تو اب غم کہاں رہے گا۔

اس کے ساتھ اخلاق محمدی یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی ضرورت ہے۔ حضور اقدس نے کبھی ذاتی انتقام نہیں لیا۔ ساری دنیا نے ستایا، پتھر برسائے، گالیاں دیں۔ مگر کسی سے بدلہ نہ لیا یہ ہیں اخلاق محمدی یہ امت دنیا میں اس لئے آئی کہ دنیا میں امن و اطمینان قائم کر دے۔ دنیا میں خیر اور بہتری پھیلا دے اور آج ایمان سے کہیں کہ آپ ایک گالی کے بدلہ میں دس گالیاں نہیں دیتے۔ اس طرح بدی کم ہو گئی، اور دس گنا اور بھی بڑھ گئی، کسی نے تھپڑ دیا۔ آپ نے چاقو سے مارا تو اس نے ایک بار بدی کا ارتکاب کیا۔ آپ نے اس سے بھی زیادہ اور بار بار بدی کی۔ ادفع بالتی ھی احسن۔ پر کتنا عمل ہوتا ہے۔؟ افسوس کہ جو قوم دنیا کی اصلاح کے لئے آئی تھی، اب اس نے بدی اور شر کو اور بڑھا دیا جس امام کے ہم مقلد ہیں۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کسی نے امام سے کہا کہ فلاں شخص نے بھری مجلس میں آپ کی غیبت کی، گالیاں دیں۔ حد سے زیادہ الزامات لگائے امام صاحب نے کہا اچھا پھر کسی وقت ایک بھرا ہوا تھال تحفوں کا لیکر اسی شخص کے پاس گئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا اس نے دیکھا تو ڈر گیا۔ کہ شاید امام صاحب کو میری باتیں پہنچیں ہیں۔ امام صاحب نے مصافحہ کیا اور تحفے پیش کر دئے اس نے حیرت سے کہا۔ یہ کیا۔ امام نے کہا تم نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ تم نے مجھے گالیاں دیں، غیبت کی۔ تو تم نے اپنی آخرت خراب کر دی۔ اور میری اچھی کر دی۔ اور کوئی کسی کو ایک گھونٹ پانی پلا دے تو وہ شکر گذار ہوتا ہے۔ بدلہ دیتا ہے۔

تو امام صاحب نے کہا کہ اس سے بڑا احسان تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تم نے اپنی نیکیاں مجھے دیدیں۔ اور مجھے سئیات اپنے اعمالنامہ میں ڈالدئے اس لئے گالی غیبت دینے والے حقوق العباد ضائع کرنے والے کے قیامت کے دن حسنات دوسرے کو دیدئے جائیں گے۔ حسنات و سئیات کا تبادلہ ہوگا۔ میرے گناہوں کا بوجھ تم نے اپنے اوپر لاد دیا۔ اس شخص کو تنبیہہ ہوئی تائب ہوا۔ قدموں پر گر پڑا، یہ ہے برائی کو بھلائی سے ختم کرنا نہ کہ برائی کا جواب برائی سے مگر آج تو کوئی تنکا اٹھائے ہم شہتیر اٹھا دیتے ہیں۔ اخلاق محمدی نہیں رہے۔ دین کے کسی معیار پر زندگی پوری نہیں اترتی۔ فرمایا گیا کہ آخری زمانہ میں اسلام کا صرف نام رہ جائے گا۔ اور قرآن شریف رسم ہوگا۔ آج رسم و رواج نے جگہ لے لی ہے۔ اور صرف نام باقی چھوڑا ہے۔

عبادت | بہر تقدیر خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری تابعداری اور عبادت کروگے۔ یہ میرا قطعی فیصلہ ہے۔ وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ۔ اور عبادت کا معنی ہے انتہائی تذلل اختیار کرنا مالک کے سامنے۔ عاجزی اختیار کرنا، اس کی مرضیات کی تعمیل اور اس کی نامرضیات سے اجتناب کرنا ہی ہے

عبادت۔ اللہ نماز پر راضی ہوتا ہے جوار سے ناراض ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے اتفاق و محبت پر راضی اور باہمی نفاق بغض و حسد پر ناراض ہوتا ہے تو مرضیات کی تعمیل اور نامرضیات سے اجتناب اور پرہیز، یہ عبادت ہے۔

وحی اور رسالت کی ضرورت | اب یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ کی مرضیات کیا ہیں؟ اور نامرضیات کیا ہیں۔ یہ تو بغیر وحی کے معلوم نہیں ہو سکتا۔ ہم آپ ایک نوع کے ہیں۔ بنی نوع انسان ہیں۔ دو انسان ایک جگہ بیٹھے ہوتے ہیں۔ باہمی معانقہ بھی کر لیتے ہیں۔ مگر دوسرے کو ہرگز یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ جس سے معانقہ کیا دل سے دل ملا دیا۔ اس وقت اس کے دل میں کیا خیالات ہیں کس بات سے راضی اور کس سے ناراض ہوتا ہے۔ کونسی چیز کھانا چاہتا ہے۔ کونسی نہیں کس کام پر راضی اور کس پر ناخوش ہوتا ہے۔ جب تک وہ خود اپنی مرضیات اور نامرضیات خود نہ کہہ دے، خود نہ بتلا دے تو اللہ تعالیٰ سے تو انسان فانی کی کوئی نسبت ہی نہیں تو بغیر بیان کے ہمیں کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ نہ عقل سے فلسفہ سے نہ سائنس اور منطق۔ اب جس ذات اقدس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ بتلاتے ہیں، اُسے رسول کہتے ہیں۔ اور اس بیان کو وحی کہتے تو خدا کی مرضیات معلوم ہوتی ہیں وحی سے۔ اور وحی آتی ہے نبی اور رسول کے ذریعہ۔

تو اب اللہ کے احکام کی تعمیل ہی عبادت ہے۔ یہ عقل سے نہیں معلوم ہو سکتا نہ ہے۔ نہ خدا ہر ہر شخص کو اپنی مرضیات براہ راست بیان کرتا ہے۔ بلکہ فانی بادشاہ بھی اپنے آرڈر سے کسی ایک کو مطلع کر دیتا ہے۔ پھر وہ اس کا اعلان کرتا ہے۔ تو نبی کے کہنے پر چلنا اس کے بتلائے ہوئے راستے پر چلنا اس نے جو طریقہ بتلایا۔ کسی بات کا امر کیا بس یہ اللہ کی وحی ہے۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی۔ اس نے کہا یہ مت کرو اسے نہیں کرنا تو اب اللہ کی مرضیات اور نامرضیات یعنی عبادت کی پہچان کا ذریعہ پیغمبر ہی ہیں، دوسرا راستہ نہیں۔ تو اسی آیت میں نبی کی اطاعت بھی آگئی جیسا کہ ارشاد ہے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔ اگر اللہ سے محبت ہے تو رسول کے نقش قدم پر چلنا پڑے گا۔ اور اس کی پیروی اور اطاعت اللہ کی اطاعت ہوگی، حضور کے اخلاق پر چلنا ہوگا۔ اور جب تک عبادت معیشت اور معاشرت تہذیب اور تمدن اس کی زندگی کے مطابق نہیں ہوگی، تو نہ عبادت درست ہوگی نہ اسلام اور ایمان کی تکمیل ہو سکے گی اور اگر اتباع اور اطاعت اختیار کی تو دنیا اور آخرت اللہ تعالیٰ دونوں بہتر کر دے گا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تحریک ریشمی رومال میں مولانا عزیر گل اسیر مالٹا کا مثالی کردار

تحریک شیخ الہندؒ کے بارہ میں بعض شرمناک غلط بیانیوں کی حقیقت

"تحریک ریشمی رومال" نامی کتاب پر تبصرہ

جہاد حریت واستخلاص وطن کی تحریکوں میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی عالمگیر اور بے مثال تحریک ۔ "ریشمی رومال" کو تاریخ جہادِ آزادی میں ایک عظیم الشان مقام حاصل ہے۔ تحریک کا عظیم الشان منصوبہ، وسیع پروگرام، اور نہایت پر اسرار نقشہ کے مطابق پورے نظم و ضبط کے ساتھ دنیا میں اس کی سرگرمیاں انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے جان نثاروں مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور ان کے ساتھی بالخصوص زندانِ مالٹا کے رفقاء شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور بقیۃ السلف مولانا عزیر گل مدظلہٗ (جو بحمد اللہ بقید حیات ہیں) نے جس صبر و استقامت، جانبازی اور بے جگری سے اس تحریک کا ساتھ دیا، اپنے تو کیا دشمن بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور رہے۔ فرنگی استبداد کے خلاف یہ مردانِ حق جان کی بازی نہ لگاتے اور اہل حق کا یہ قافلہ سب کچھ قربان نہ کرتا۔ تو آج نہ صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام اور ایشیا کا اکثر حصہ برٹش سامراج کا غلام ہی رہتا۔ مگر کتنے سنگدل اور بدبخت ہیں وہ لوگ جو اپنی تاریخ کے ایسے سنہری حصہ کو بھی اپنی اغراض خبیثہ کی وجہ سے مسخ کرنا چاہتے ہیں۔ اور جسارت کی حد ہے کہ جو لوگ انگریزی استعمار کے ازلی اور موروثی کاسہ لیس تھے اور جنہوں نے غلامی کے راستے ہموار کئے انہیں آج سرفروشانِ جہادِ آزادی کی صف میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ مگر جنہوں نے ۱۸۵۷ء اور اس کے فوراً بعد جان و مال اور عزت و آبرو سب کچھ ناموس آزادی پہ نثار کر دیا جو اس جنگ کا ہراول دستہ بنے، جنہوں نے کے میدان کو اپنے

خون سے رنگین کیا۔ جنہوں نے مالٹا اور مصر کے قید خانوں کو آباد کیا، جنہوں نے برصغیر کے ذرہ ذرہ پر اپنی قربانیاں ثبت کیں۔ آج اس طائفہ مقدسہ کی خدمات کا اعتراف تو کیا انہیں انگریزوں کا آلۂ کار ثابت کیا جا رہا ہے۔ تحریک ریشمی رومال کے سلسلہ میں بھی لائل پور کے کسی ماؤف دماغ شخص (جس کی پوری قلعی ذیل میں فاضل مضمون نگار نے کھول کر رکھ دی ہے۔) نے کچھ عرصہ قبل اسی تحریک کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں واقعات کو ادھر ادھر سے جمع کیا اور ستم یہ کہ کتاب کو شیخ الاسلام مولانا مدنی مرحوم کیطرف منسوب کیا۔ اور اسباب ناکامی کے ضمن میں تحریک کے بعض ممتاز اور بنیادی کارکنوں بالخصوص رفیق عزیز و تلمیذ رشید شیخ الہند مولانا عزیر گل کاکاخیل مدظلہ کے جذبہ اخلاص اور شاندار کردار کو مسخ کرنا چاہا، بدقسمتی سے حضرت مدنیؒ کیطرف نسبت کی وجہ سے تحریک ریشمی رومال کے بارہ میں اس کتابچہ کو پاک و ہند کے بعض ثقہ اور غیر ثقہ جرائد اور ڈائجسٹوں نے بھی شائع کیا۔ خود احقر نے حضرت مولانا عزیر گل مدظلہ صاحب موصوف کو اس بارہ میں بار بار وضاحت کی توجہ دلائی مگر یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تحسین و ستائش کے متمنی ہوتے ہیں نہ کسی کے ایسی ظالمانہ جسارتوں کو قابل اعتناء سمجھتے ہیں مولانا مدظلہ نے بڑی بے پروائی سے اس مسئلہ کو ٹالدیا کہ ہمیں نہ صلہ کی ضرورت ہے۔ نہ تعریف کی۔ جولائی ۱۹۶۹ء میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے فرزند رشید حضرت مولانا محمد اسعد صاحب مدظلہ نے دارالعلوم حقانیہ اور مولانا مدظلہ کے قصبہ سخاکوٹ میں ورود فرمایا تو انہوں نے بھی اس شرمناک جھوٹ کو نہایت شدت سے محسوس کیا اور احقر کے نام ایک مکتوب میں اس کتاب کی ایسی تمام باتوں کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا۔ (ملاحظہ ہو الحق ص ۴۲، اگست ۱۹۶۹ء) پچھلے سال اسی کتاب کی تلخیص ہندوستان کے کچھ اور رسائل میں آئی۔ تو مولانا اسعد مدظلہ نے دوبارہ احقر کے نام ایک خط میں اس پر افسوس کا اظہار فرمایا اور اب کے انہوں نے اپنے دورۂ انگلستان کے دوران ریشمی رومال والی فائلوں کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں بھی حاصل کر لیں اور برطانیہ کی اتنی اہم دستاویزوں میں سے مولانا عزیر گل مدظلہ کے متعلق حصہ بھی نقل کروا کے ارسال فرما دیا۔ ہمیں بہت خوشی ہے کہ مولانا عزیر گل مدظلہ ہی کے خاندان کے ایک معروف صاحب علم و قلم مولانا سیاح الدین صاحب کاکاخیل نے پیش نظر مضمون میں ان سب باتوں کو سمیٹ کر مؤلف اور

اس کی تالیف کی شرمناک عبارتوں کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ اور اس طرح وہ ایک بڑے طبقہ کی طرف سے فرض کفایہ اور اپنے خاندان کی طرف سے فرض عین ادا کر رہے ہیں اور الحق اس کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ مرتب کتاب کے بارہ میں فاضل مقالہ نگار کی تحریر میں کچھ تلخی اور شدت آگئی ہے۔ مگر غالب کی زبان میں اپنا عذر اور احساس درد کی شدت کو بھی پیش فرمادیا ہے۔ ـــــ سمیع الحق ـــــ

سوشلسٹوں کا طریق کار یہ ہے کہ وہ مذہب اور اہل مذہب کو بدنام کرنے، اور عام مسلمانوں کو ان سے متنفر کرنے کیلئے طرح طرح کی تدبیریں اختیار کیا کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ ان کا یہ بھی ہے کہ وہ مضامین ومقالات اور ادبی اور تاریخی تصانیف کچھ اس طرز و انداز کے ساتھ مرتب کرکے شائع کرتے ہیں کہ اس سے ان کا یہ مقصد حاصل ہو۔ اور وہ اپنا یہ زہر دوسرے مضامین کے ساتھ کچھ اس عیاری اور چابکدستی کے ساتھ ملا دیتے ہیں کہ پڑھنے والا ان کے کذب و افتراء کو بالکل ایک حقیقت سمجھ کر مان جاتا ہے۔ اور یہ خطرناک زہر کسی لذیذ خوراک میں نوش جان کرکے اپنے دین و ایمان اور سیرت و اخلاق کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

اس قسم کی "نادر تحقیقات اور نئے انکشافات" پر مشتمل ایک عجیب و غریب تصنیف لطیف کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ لاہور میں سوشلزم کی اشاعت و ترویج کے لئے ایک نشریاتی ادارہ "کلاسیک" کے نام سے مال روڈ پر عرصہ سے اس قسم کی کتابیں چھاپتا بھی ہے۔ اور فروخت بھی کرتا ہے۔ اس اشاعتی ادارہ کے مالک سوشلسٹ ہیں اور وہ گویا ایک مشن کے طور پر سوشلسٹ نظریات و خیالات کو مختلف طریقوں سے پھیلاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ آجکل چین کا وہ سرکاری رسالہ جو درحقیقت سوشلزم کی اشاعت ہی کیلئے "چین باتصویر" کے نام سے اردو میں شائع ہوتا ہے۔ اسی ادارہ کے ذریعہ پورے پاکستان میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور یہ ادارہ اس رسالہ کے ایک ایجنٹ اور تقسیم کنندہ کی حیثیت سے روزناموں میں "چین باتصویر" کی خریداری کیلئے اشتہارات شائع کرتا ہے۔ عرصہ ہوا اس نشریاتی ادارہ نے ایک صاحب مولوی عبدالرحمٰن (جس کی نقاب کشائی میں آگے کروں گا۔) کے ذریعہ سے "تحریک ریشمی رومال" کے نام سے ایک کتاب مرتب کروا کر طبع کی اور اس کی خوب اشاعت کردی۔ اس قدر دجل و تلبیس سے کام لیا کہ اس کے سرورق پر لکھا ہے: مولانا حسین احمد مدنی اور اندر پھر لکھا ہے: مرتبہ مولانا عبدالرحمٰن۔ عام طور پر حضرت مولانا مدنی رح کے عقیدتمندوں

نے سرورق پر حضرت مدنیؒ کا اسم گرامی لکھا ہوا دیکھا۔ تو انہوں نے یہی سمجھا کہ یہ حضرتؒ کی کوئی تازہ اور اب تک غیر مطبوعہ تصنیف ہے۔ اس لئے وہ بہ صد ذوق و شوق اس کو خریدتے رہے۔ اور اس طرح کتاب کی اشاعت خوب ہوگئی۔ لیکن درحقیقت یہ اسم گرامی محض دھوکہ دینے کیلئے استعمال کیا گیا تھا۔
اس کتاب میں حضرت مدنیؒ کی مطبوعہ کتاب "نقشِ حیات" حصہ دوم میں سے کچھ تھوڑا سا حصہ لیا ہے۔ اور اس میں بھی جگہ جگہ اپنی رائے ملا دی ہے۔ اور پھر آگے جاکر مرتب کتاب نے خود اپنی طرف سے جو کچھ لکھا ہے وہ سب کا سب اس کے خبث باطن کا مظاہرہ ہے۔ کذب و افتراء، بہتانِ عظیم اور اس کے نفس امّارہ بالسّوء کا اختراع و اختلاف ہے۔ اور اس میں ذرّہ بھر شائبہ صداقت و واقعیت کا موجود نہیں۔ یہ تو میں آگے جاکر پوری تفصیل کیساتھ بیان کروں گا۔ کہ اس خبیث النفس شخص نے کس قدر سفید جھوٹ کس دیدہ دلیری اور پوری بے حیائی اور ڈھٹائی کیساتھ درج کرکے اپنے نامۂ اعمال میں سابقہ بدکرداریوں اور سیاہ کاریوں پر مزید اضافہ کر دیا ہے۔ لیکن قارئین کے سامنے یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ یہ مولوی عبدالرحمٰن ہے کون ذاتِ شریف۔ جس نے اس قدر شوخ چشمی اور اتنی جرأت کے ساتھ خوفِ خدا اور ملامتِ خلق سے بے پرواہ ہوکر کذب و افتراء کا یہ طومار باندھا ہے۔ اور یہ کہ یہ کام اس نے آخر کیوں کیا ہے۔ یہ عبدالرحمٰن (جس کو اس کے ایک خاص استاد کے بھائی مشہور عالم دین حضرت مولانا سکندر علی صاحبؒ مرحوم ہری پور شاہ محمد والے نے ۱۹۴۳ء میں جب کہ بھیرہ ضلع سرگودھا میں مقیم تھا۔ اور اسی قسم کی شرارتیں اور علم و علماء کی توہین و تحقیر کیا کرتا تھا۔ اور خود اپنے محسن اور جیّد عالم کی شان میں بھی گستاخی کرتا رہا عبدالشیطان نام رکھا تھا۔) دراصل ضلع ہزارہ کے بالائی پہاڑی علاقے کا پہاڑی گوجر ہے۔
غربت و افلاس کے مارے بچپن سے اس پہاڑی علاقہ سے اتر کر مختلف مکاتب و مساجد اور مدارس عربیہ میں رہ کر پڑھتا رہا۔ اور سوءِ اتفاق سے اس طرح کچھ کتابیں پڑھ کر "یحمل اسفاراً" کے مطابق رسمی "مولوی" بن گیا، لیکن علم را بر جان زنی یارے بود کا مصداق نہیں تھا۔ بلکہ علم را بر تن زنی مارے بود۔ کے مطابق سیرت و اخلاق کے لحاظ سے مار دُم کژدم سے بھی بدتر تھا۔ اور علماء کی صف میں شامل کرنے کا مستحق نہیں تھا۔ کتاب خوان تو بنا، مگر "صاحبِ کتاب" نہ بن سکا۔

بہرحال مسلمانوں کے معاشرہ میں علم کی قدر ہوتی ہے۔ علوم دینیہ کیطرف منسوب ہونے اور مولوی اور مولانا کہلانے کی وجہ سے لوگ اس کی عزت کرنے لگے اور مدارس عربیہ میں پڑھانے لگ گیا۔
کچھ عرصہ بھیرہ میں رہا وہاں بھی اپنی سیرت و اخلاق کے خوب گل کھلائے اور آخر وہاں سے امرتسر چلا گیا وہاں کچھ طلبہ جمع کرکے مدرسہ بنایا اور اپنا کام چلاتا رہا۔ اور تقسیم ملک کے بعد وہاں سے لائل پور آیا۔ اور

یہاں لائل پور میں مدرسہ اشرف المدارس کے نام سے ایک مدرسہ بناکر اسکو ذریعۂ عیش و معاش بنایا۔ اور چند طلبہ کو تعلیم دینے لگا۔ نیز شہر میں دیوبندی بریلوی کشمکش پیدا کرکے دیوبندیت کا وکیل بنا اور جذباتی قسم کے دیوبندیوں کا اس ذریعہ سے استحصال کرتا رہا۔ مزاج میں بے انتہا رعونت تھی۔ اوضاع و اطوار متکبرانہ اور خود پسندانہ تھے۔ زبان زہر آلود اور ہر کسی کو کاٹ کھانے والی تھی ۔

کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

بعض مخلص و سادہ دل دیوبندی نظریہ رکھنے والے اہل شہر اسے عالم دین اور دیوبندی مسلک کا نمائندہ سمجھ کر اسکی اصل حیثیت سے بڑھ کر اس کا اعزاز و اکرام کیا کرتے تھے۔ لیکن اس کا ظرف خلقی طور سے بہت چھوٹا تھا۔ یہ اعزاز و اکرام اس میں سما نہ سکا۔ چنانچہ اس نے انتہائی غرور و تکبر شروع کیا۔ بدزبانی اور تندمزاجی کو اپنا شعار بنایا۔ ہر کسی کی توہین و تحقیر کے درپے ہوا۔ اور سمجھنے لگا کہ شاید مجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔

ع وان انت اکرمت اللئیم تمردا [1]

جب انانیت حد سے بڑھ گئی اور اپنے آپ کو مختار مطلق یقین کرنے لگ گیا تو مدرسہ کی آمدنی کو جو طلبہ کے نام پر اور دین کی خاطر جمع کرتا رہا۔ ذاتی عیش و عشرت اور اللوں تللوں میں خرچ کرنے لگ گیا۔ اور اپنی ذات پر پورے اسراف و تبذیر کیساتھ مدرسے کا مال بڑی بے دردی سے خرچ کرتا رہا۔ افیون خوری میں مبتلا ہوا۔ شاید کسی اللہ والے کی بددعا لگ گئی۔ کیونکہ وہ ہر کسی کا دل اپنی بدزبانی تندو تیز اور تلخ لہجہ اور ترش ابروئی سے دکھاتا رہا۔ سخت بدنام ہوا دام عقیدت میں پھنسے ہوئے لوگ ایک ایک کرکے اس سے متنفر اور علیحدہ ہوتے۔ اور آخر ۱۹۵۸ء میں ایک رات اشرف المدارس کے کتب خانہ کی بہت سی کتابیں جو قیمتی اور اہم تھیں ایک ویگن میں ڈال کر راتوں رات خفیہ طور پر لائل پور سے لاہور بھاگ گیا۔ کچھ عرصہ تک تو لاہور میں رہ کر مدرسہ کی رقم کھاتا رہا، پھر مدرسہ کی وہ کتابیں فروخت کرتا رہا اور اس سے اسی طرح کی عیاشی کرتا رہا۔ جس کی عادت مدرسہ کے مال میں بددیانتی کرنے کی اسے لائل پور میں پڑ گئی تھی۔ دینی کتابوں کی قیمت سگریٹ کے دھوئیں میں اڑاتا رہا۔ جب کتابیں ختم ہوئیں تو ہر جانے

---

[1] شاید قارئین کرام اس شخص کے بارے میں میرے الفاظ کی شدت و حدت محسوس فرمائیں گے۔ لیکن میں عرض کروں گا کہ ع دیکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف۔ اس نے ایک مخلص مجاہد عالم دین کے خلاف بہتان تراشی کا اتنا عظیم جرم کرکے کہ اگر اس سے بھی زیادہ کہا یا لکھا جائے تو حدود سے تجاوز نہیں ہوگا جتنا کچھ میں نے اس کے بارے میں لکھا ہے۔ یہ اس کی سیرت و اخلاق کی اصل تعبیر سے پھر بھی کم ہے۔

پہچانے شخص سے بہ لطائف الحیل قرضے لے لے کر عیاشانہ گذارا چلاتا رہا۔ جب اسکی بھی گنجائش ختم ہوئی تو پھر فقر و افلاس میں مبتلا ہو کر بہت پریشان ہوا۔ اشتراکی اثرات اس کے دماغ پر پہلے سے چھائے ہوئے تھے۔ مولویت کے لباس میں بھی اپنے "مواعظ حسنہ" میں بر سرِ منبر اسی قسم کی باتیں کبھی کبھی سنایا کرتا تھا۔ اور عموماً اشتراکی ذہن رکھنے والے مولوی نما حضرات ان اشتراکی نظریات کے زہر کو فلسفۂ ولی اللّٰہی کے نام سے مسلمانوں کو پلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ حضرت بھی فلسفۂ ولی اللّٰہی کے ایک ماہر کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کر کے اشتراکی دُر افشانیاں کیا کرتا تھا۔ الغرض دماغ میں اشتراکی جراثیم پہلے سے موجود تھے۔ اس لئے ان حالات فقر و فاقہ میں الجنس یمیل الی الجنس کے مطابق یہ اشتراکی کبوتر کسی دوسرے اشتراکی کبوتر کو لاہور میں تلاش کرتا رہا۔ مقصد یہ تھا کہ چونکہ ان لوگوں سے ذہن تو ملا ہوا ہے، اپنے افکار و خیالات کیساتھ ساتھ اپنے فقر و فاقہ اور تہیدستی کا بھی ذکر کروں گا۔ وہ مجھے اپنا ہمنوا اور ہم صفیر سمجھ کر دست شفقت بڑھائیں گے۔ اور معمول کے مطابق عیاشانہ زندگی کا سامان ہو جائیگا۔ میں ان اشتراکیوں کی کوئی علمی خدمت سرانجام دوں گا۔ اور وہ میری دستگیری کر کے جیب گرم کر دیا کریں گے۔ اور اپنی عادات بد کے مطابق عیاشانہ اور مسرفانہ زندگی گذارنے کیلئے کچھ نہ کچھ رقم ہاتھ آجایا کرے گی۔ چنانچہ اسی جستجو کے نتیجہ میں اس کو "کلاسیک" کے یہ حضرات مل گئے۔

حنیف رامے صاحب موجودہ وزیر اعلیٰ کے مشہور رسالہ "نصرت" میں بھی کچھ دنوں اسکے منشا اور مسلک کے مطابق مضامین لکھ کر شائع کرتا رہا اور حق الخدمت وصول کرتا رہا۔ اور پھر کلاسیک کے مالکوں نے اس کے ذمہ یہ خدمت لگادی کہ آپ ایک ایسی کتاب مرتب کر دیں جو بظاہر تو حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک حریت و آزادی کے سلسلہ میں ایک اہم تاریخی کتاب سمجھی جائے۔ لیکن در حقیقت اس تمام تاریخ کو اس انداز سے مسخ کر کے اور روشن چہروں پر جھوٹ کی سیاہی پھیر کر پیش کرو، جس سے حضرت شیخ الہندؒ کے خاص الخاص معتقدین اور معتمد ترین رفقاء و خدام کی بدنامی ہو۔ اور ان کے صدق و اخلاص اور مخلصانہ محنتوں اور کارناموں کو مجروح کر کے دکھاؤ۔ اس ادارے کا مقصد اس بدنامی کی اشاعت سے کیا تھا وہ میں آخر میں بیان کروں گا۔

الغرض اس عبدالرحمٰن یا بقول عبدالشیطان نے یہ خدمت ان کے منشاء کے مطابق نہایت "احسن طریقہ" سے سرانجام دی اور یہ کتاب "تحریک ریشمی رومال" مرتبہ عبدالرحمٰن طبع ہو کر شائع ہو گئی۔ جس زمانے میں یہ کتاب شائع ہوئی تو مجھے میرے محترم عزیز بھائی مولانا عبدالقدوس صاحب صدر شعبۂ اسلامیات پشاور یونیورسٹی نے وہاں سے خط لکھا کہ یہ عبدالرحمٰن کون ہے جس نے تحریک ریشمی رومال

میں حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے بارے میں خالص جھوٹ پورے بغض وعناد کے ساتھ شائع کیا ہے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا، میں نے کوشش کر کے یہ کتاب لاہور سے مہیا کرائی اور پڑھی، اور مجھے بھی اس کذب وافتراء اور بہتانِ عظیم پر بہت زیادہ غصہ آیا۔ اور سوچ رہا تھا کہ یہ کون بدبخت، بدطینت اور خبیث الفطرت شخص ہے، جس کے قلم نے یہ بکواس لکھ کر شائع کی ہے۔ اور اس قدر بے حیائی کا مظاہرہ کون کر سکتا ہے۔ میں نے مولوی شمس الدین صاحب مرحوم تاجر کتب نادرہ زیر مسلم مسجد انارکلی لاہور سے پوچھا۔ کہ کیا آپ کو معلوم ہے یہ عبدالرحمٰن کون ہے۔ اس نے مجھے چپکے سے کان میں ان الفاظ کے ساتھ فرمایا۔ کہ یہ تو وہی آپ کے لائل پور کا حواس باختہ پاگل افیونی عبدالرحمٰن ہزاروی ہے۔ جب میں نے یہ نام سنا تو میں نے اس سے یہ مستبعد نہیں سمجھا فوراً یقین کر لیا۔ کیونکہ میں اس کی ساری تاریخ ذہنیت، دنائت اور خبثِ باطن سے واقف تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اس سے بھی زیادہ جھوٹ فی البدیہہ تصنیف کرنے اور ہر معاملہ میں بالکل فرضی حوالے دینے میں ماہر ہے۔ اور وہ چند روپوں کی خاطر ہر بددیانتی اور ہر بے حیائی پر اتر سکتا ہے۔ واقعی ——— ع

ایں کار از تو آید و شیطاں چنیں کند

مرتب کتاب کی تعیین ہوئی اور اس کے اصل مقام اور حیثیت کا پہلے سے پورا پتہ تھا اس لئے میری ذاتی رائے یہ قرار پائی کہ ایسے شخص کے ایسے ہفوات کی تردید درحقیقت اس کو اہمیت دینا ہے۔ ان اکاذیب وخرافات کو گوز خر قرار دے کر ان سے صرف نظر اور چشم پوشی کرنی چاہئے۔ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی ؒ نے جو حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ العالی کے رفیقِ زمانہ تعلّم اور حضرت شیخ الہند ؒ کے تلمیذ رشید تھے یہ معلوم کر کے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا کہ اس دروغ گو بدزبان کے خلاف تو ہتک عزّت کا دعویٰ کر کے کذب بیانی کا اُسے مزہ چکھانا چاہئے۔ اُن دنوں مجھے حاجی عبدالسلام صاحب ہوشیار پوری مرحوم ناظم مدرسہ اشاعت العلوم نے بار بار شدید اصرار کے ساتھ فرمایا کہ دیکھئے مولانا عزیر گل صاحب کے بارے میں اس قسم کے کذب وافتراء کی اشاعت سے تاریخی طور پر ایک بالکل غلط اور خلاف واقعہ بات مستقبل میں تاریخ کی ایک حقیقت بن جائے گی۔ اس لئے آپ کا یہ فرض ہے کہ ضرور اس کی پُر زور اور مدلل تردید شائع کر دیں۔ اور اصل حقیقتِ حال کو واضح کر کے مستقبل کے خطرات کو دفع کر دیں۔ مگر میرا اپنا خیال یہ تھا کہ جو لوگ اس "عبدالرحمٰن" کو جانتے ہیں۔ اور اس کی سابقہ تاریخ، موجودہ حالت اور اسکی اصلیت، حقیقت ذہنیت اور خبث باطن سے واقف ہیں وہ کبھی بھی اس کتاب اور اس کے مندرجات کو ذرّہ برابر اہمیّت نہیں دیں گے اور جو لوگ اس کو نہیں

جانتے وہ بھی کسی مغالطہ میں اس لئے نہیں پڑ سکتے کہ ایک طرف تو حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ کے بارے میں "نقش حیات" اور "سفرنامہ اسیر مالٹا" میں ان کے خاص الخاص رفیق اسارت مالٹا حضرت مولانا مدنیؒ کی مستند شہادت موجود ہے۔ نیز حضرت شیخ الہندؒ سے متعلق دوسری لکھی ہوئی تمام کتابوں میں مولانا ممدوح کا ذکر خیر نہایت ادب واحترام اور عقیدت کے ساتھ آتا رہا ہے۔ اور سب نے ان کو خادم خاص اور معتمد ترین تلمیذ رشید قرار دیا ہے۔ اور دوسری طرف اس گمنام شخص کی لکھی ہوئی ساری باتیں بلاسند و بلاحوالہ محض اپنے ذہن کی پیداوار ہیں۔ تو ایسے بے سروپا اور بے بنیاد الزامات کو کون سمجھدار شخص صحیح یقین کر سکتا ہے۔ اور اپنی اس رائے کی بناء پر میں نے مستقل تردیدی مضمون کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔ بلکہ اسکو تضیع اوقات اور شغل لایعنی سمجھا۔ بلکہ خود ایک موقع پر حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ سے اس کتاب اور اس کے مندرجات کا ذکر ہوا اور ان سے کچھ تردیدی مواد اور اس دور کے تفصیلی حالات بیان کرنے کا تقاضا کیا گیا تو جواب میں فرمایا :

کوئی ضرورت نہیں ہم نے اس وقت جو کچھ کیا تھا محض خداوند تعالیٰ کی رضا اور اپنے شیخ کی خدمت گذاری کیلئے کیا تھا۔ کسی بھی اور سے بدلہ لینا نہیں۔ اب لوگ جو کچھ کہیں کہتے رہیں ہمیں کسی اور کی پرواہ نہیں اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

ہم نے البتہ اس وقت اتنا کیا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ ارشد جناب مولانا اسعد مدنی مدظلہ کو یہاں سے ایک کتاب خرید کر بذریعہ ڈاک دیوبند ارسال کر دی اور لکھا کہ آپ وہاں سے اس کی تردید شائع فرمائیں۔ نیز مولانا سمیع الحق صاحب مدیر رسالہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے بھی مولانا اسعد مدنی کے نام ایک خط اس مضمون کا لکھا۔ مولانا اسعد مدنی صاحب نے اس کی ایک پر زور تردید لکھ کر دی۔ جو رسالہ الحق بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ مطابق اگست ۱۹۶۹ء جلد ۴ شمارہ ۱۱ میں شائع ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیے :

"تحریک ریشمی رومال" مرتبہ مولوی عبدالرحمٰن ہزاروی کی تصنیف کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کی طرف منسوب کرنا بدترین افتراء ہے۔ یہ تصنیف مولوی عبدالرحمٰن ہزاروی کی طبع زاد ہے جس میں تاریخی واقعات کو مسخ کر کے انتہائی مکروہ صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اور حضرت شیخ الاسلامؒ کی تصنیفات سے بعض اقتباسات پیش کر کے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ یہ کتاب حضرت قدس سرہٗ کی تصنیف ہے۔ اس میں خاص طور پر وہ حصہ انتہائی مکروہ افتراء

ہے۔ جیں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے مخلص خادم و جان نثار اور رفیق اسارت اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مخلص ترین رفیق حضرت مولانا عزیر گل صاحب اسیر مالٹا کو ریشمی خطوط کی تحریک میں انگریزوں کا آلۂ کار ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
میں مولوی عبدالرحمٰن ہزاروی کی اس قسم کی تمام افتراء پردازیوں کی پرزور تردید کرتا ہوں، جو انہوں نے حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے متعلق اس کتاب میں کی ہیں۔ اور اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے تعلقات حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہٗ سے انتہائی یگانگت اور اخلاص کیساتھ قائم رہے ہیں۔
اور والد محترم کے انہی تعلقات کے احترام میں انتہائی عدیم الفرصتی کے باوجود میں نے ان کی زیارت کی بیس سالہ تمنا کے حصول کیلئے ان کے دیہاتی خام مکان پر حاضر ہونے کی آج[1] ہی سعادت حاصل کی ہے۔ جہاں وہ اسی درویشانہ تبتّل کی زندگی گذار رہے ہیں۔
جو حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے مخلصین کا طرۂ امتیاز اور حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہٗ کی طویل تاریخی زندگی کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت رہی ہے۔

(اسعد غفرلہٗ، ۷ر جولائی ۱۹۶۹ء۔ پشاور)

ہم نے سمجھا کہ بس اس قدر تردید کافی ہے۔ حاجی عبدالسلام صاحب مرحوم کا پھر بھی اصرار رہا اور وہ مجھے بار بار یہ کہا کرتے تھے کہ آپ ضرور اس کذب و افتراء کی مفصّل تردید کرکے اس کی خوب اشاعت کریں۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ کچھ لوگ ان مندرجات کو دیکھ کر حقیقت سمجھ لیں گے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو عبدالرحمٰن کی حقیقت و حیثیت نہیں جانتے۔ اور حضرت مولانا مدنیؒ کی کتابیں اور دوسرے حضرات کی تحریریں ان کی نظر سے نہیں گذری ہوں گی۔ اور نہ ان کو یہ معلوم ہوگا کہ خود حضرت شیخ الہندؒ کا اور ان کے بعد ان کے اہل خاندان اور خصوصی تلامذہ اور معتقدین کا تعلق محبت و مودّت اور رابطہ اعتماد و اعتقاد مولانا عزیر گل صاحب سے کتنا رہا۔ اور وہ بچارے لاعلمی میں شکار ہو جائیں گے۔ اور

---

[1] جولائی ۱۹۶۹ء کو مولانا اسعد صاحب پاکستان تشریف لائے تھے اور ۷ر جولائی کو خاص طور سے سفر کرکے مولانا عزیر گل صاحب کے دیہاتی مکان نزد سخاکوٹ منڈی ضلع مردان جاکر مولانا کی زیارت کی تھی یہ تحریر اس موقع پر لکھ دی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے ایک صالح و متقی اور انتہائی مخلص مجاہد فی سبیل اللہ کے بارے میں سوء ظن رکھنے سے وہ بھی گنہگار ہو جائیں گے۔ اور تاریخ بھی آئندہ ادوار میں بالکل مسخ ہو جائے گی۔ حاجی صاحب مرحوم کا جملہ یہ تھا کہ ایک مخلص مجاہد فی سبیل اللہ کو مجاہدین و مخلصین کی صف سے نکال کر جاسوسوں کی صف میں داخل کرنا تاریخ کا کتنا بڑا المیہ ہوگا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس پر آپ لوگوں کی خاموشی بھی ایک گناہ ہے۔ جس کا آپ ارتکاب کر رہے ہیں:"

اُس وقت تو ہم نے اپنی رائے کے مطابق حاجی صاحب مرحوم کے اس اصرار کو ان کا ایک تشدد سمجھا اور خیال تھا کہ حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے ساتھ غلبۂ عقیدت و محبت کی بنا پر وہ یہ سب کچھ فرما رہے ہیں ورنہ اس کی کوئی ضرورت نہیں اور اس لئے ہم نے مزید کچھ نہ لکھا نہ شائع کیا۔ لیکن اب پتہ چلا کہ حاجی صاحب مرحوم کی رائے صحیح تھی۔ اور انہوں نے فراست ایمانی سے مستقبل کی جس چیز کا ادراک کیا تھا۔ اور یہ اصرار کرتے رہے وہ بات سامنے آگئی جس کتاب کو ہم نے عبدالرحمٰن ہزاروی جیسے سفیہ النفس افیونی کی کتاب سمجھ کر وقعت نہیں دی اور اس کے مندرجات کو کذب و افتراء کا انبار سمجھ کر پھینکنے کے قابل سمجھا اور اس کی تردید کی طرف توجہ نہیں دی۔ یہ کانت ماصخرتے عن العجاد۔ کچھ لوگوں نے اپنی نادانی اور لاعلمی سے اس کو بھی ایک "نادر تحقیق" اور نئے انکشافات پر مشتمل تصنیف سمجھ کر تاریخی ماخذ قرار دیا۔ اور اس طرح اس "عبدالشیطان" نے شیطان کی طرح بہت سے لوگوں کو بہکا کر صراط مستقیم سے ہٹایا۔

ضلّ و اضلّ اور اب معلوم ہوا کہ لکلّ ساقطۃ لاقطۃ۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے۔ کہ ہمارے محترم مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہ العالی کا ایک گرامی نامہ دہلی سے موصول ہوا ہے۔ جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

"ایک آبرو باختہ نے پاکستان میں ایک کتاب لکھ کر (حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کی تحریک پر) شائع کی اس میں حضرت مولانا عزیر گل صاحب پر الزامات لگائے تھے اور بدقسمتی سے اس کے حوالے سے یہاں "شبستان" میں مضمون شائع ہوا۔ اور ابھی کسی نے علی گڑھ سے ریشمی رومال تحریک مقالہ لکھا۔ تو اس میں ان چیزوں کا تذکرہ کر دیا۔ یہ چیزیں ہمارے لئے بہت سوہانِ روح بنی ہوئی ہیں۔ میں جب انگلستان گیا تھا۔ تو ریشمی رومال والے فائل کی فوٹو کاپیاں مکمل لے آیا تھا۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب اس پر کام کر رہے ہیں۔ موصوف نے اس سے وہ حصہ جو حضرت مولانا عزیر گل مدظلہم سے متعلق ہے، ترجمہ کرا کے احقر کے پاس بھیجا ہے۔ میں وہ ان کے خط کیساتھ بھیج رہا ہوں۔

آپ اس کو شائع کر دیں تاکہ اس جھوٹ کی بہ زبان برطانیہ تردید ہو جائے۔
اس گرامی نامہ کے ساتھ مولانا سید محمد میاں صاحب کا وہ خط ہے۔ جو انہوں نے تحریر فرما کر ارسال فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں:

ریشمی رومال کی تحریک کے سلسلہ میں حاصل شدہ مضامین وغیرہ کا ایک حصہ ہے جس کا عنوان ہے۔ کون کیا ہے۔؟ اس میں غالباً ایک سو بیس حضرات کے اسماء گرامی ہیں۔ ہر ایک کے متعلق سی۔ آئی۔ ڈی کا نوٹ ہے۔ حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے متعلق جو نوٹ ہے اس کا ترجمہ ہم رشتہ ہے۔ اس حصہ کی کتابت ہو رہی ہے۔ اور باقی حصہ کی کتابت ایک اور صاحب فرما رہے ہیں۔ خدا جلد کتابت و تصحیح کے مراحل طے کرا دے۔ تو طباعت کی نوبت آئے۔ اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق بخشے۔

حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ کے متعلق سی۔ آئی۔ ڈی کے نوٹ کا وہ ترجمہ جس کا حوالہ مولانا سید محمد میاں صاحب نے دیا ہے۔ ان کے قلم سے لکھا ہوا ہم رشتہ یوں ہے۔

(۴۶) عزیر گل پسر شاہد گل کاکاخیل پٹھان[1] درگئی شمال مغربی سرحدی صوبہ میں رہتا ہے۔ بڑا آتشیں مزاج ہے۔ ۱۔ جب وہ دیوبند میں طالب العلم تھا۔ اس وقت سے مولانا محمود الحسن کا پکا مرید ہو گیا تھا۔ ۲۔ بڑا اہم سازشی ہے۔ ہجرت کا بڑا خواہشمند ہے۔ ان لوگوں میں سے ایک ہے جنہوں نے ہمیشہ مولانا کو اکسایا ہے۔ کہ وہ جہاد کیلئے ہجرت کر جائیں۔ ۳۔ وہ دیوبند میں خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ اور ستمبر ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود الحسن کے ہمراہ عرب گیا تھا۔ ۴۔ اس کے سفر حجاز سے قبل مولانا محمود الحسن نے اس کو آزاد علاقہ میں بھیجا تھا۔ تاکہ حاجی صاحب سیف الرحمٰن اور دوسرے منحرف لوگوں کو مطلع کر سکیں۔ کہ حضرت مولانا کا ارادہ ہندوستان سے ہجرت کرنے کا ہے۔ نیز لڑائی کا اور جہاد کی تیاریوں کا مشاہدہ کر سکے۔ وہ حضرت مولانا کے ہمراہ اس وقت بھی ٹھہرا رہا۔ جبکہ ان کے اکثر پیر اور مریدین ہندوستان کو واپس کر دیئے گئے۔ ۵۔ یہ کہا جاتا تھا کہ عزیر گل،

---

[1] عام طور پر صوبہ سرحد کے ہر باشندہ کو اور پشتو بولنے والے کو پٹھان کہا جاتا ہے۔ ورنہ مولانا کا خاندان کاکاخیل سادات کا مشہور خاندان ہے۔

انور پاشا اور جمال پاشا کے فرمان سے کہ عنقریب ہندوستان آئے گا۔ اور اس فرمان کو افغانستان لے جانا ہوگا۔ لیکن بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مکہ میں شریف مکہ کے حکم سے ۲۲ دسمبر کو یا اس کے لگ بھگ گرفتار کر لیا گیا۔ اور جدہ کو بھیج دیا گیا۔ جہاں سے ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء کو اسے مصر روانہ کر دیا گیا۔ ۹۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں مولوی عزیر گل کا نام ہے کہ اسے کرنل دکھایا گیا ہے۔ (ریشمی رومال والی تحریک میں کون کیا ہے۔)

مولانا اسعد صاحب کے مندرجہ بالا مکتوب گرامی سے معلوم ہوا کہ اس رسوائے زمانہ مولوی کی اس مجموعۂ اکاذیب و بہتان تراشی کتاب کو بھی کچھ لوگوں نے اس قابل سمجھا کہ اس کو اپنے مضامین و مقالات کا ماخذ قرار دیا جائے۔ حیرت ہوتی ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی جیسے علمی ادارہ سے بھی اس قسم کی بے سروپا اور نادر تحقیقات پر مشتمل مقالات شائع ہوتے ہیں۔ مقالہ نگار صاحب نے جو ایک تاریخی اور علمی مقالہ مرتب کر کے ڈگری حاصل کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ تو کیا اتنی اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کیلئے اس نے یہی تحقیق کی اور صرف یہی کتاب مطالعہ فرما کر تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ اس نے حضرت شیخ الہندؒ اور ان کی تحریک کے بارے میں "نقش حیات" "اسیر مالٹا" اور حضرتؒ کے معتمد تلامذہ و خلفاء کی دوسری تحریروں کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ اگر کیا تھا تو پھر ایک مجہول الحال عبدالرحمٰن کی خلاف نقل و عقل نادر تحقیق کس طرح درست تسلیم کر کے اپنے مقالے میں داخل کر دی۔ جس میں کسی بات کا کوئی مستند حوالہ موجود نہیں۔ جس میں بہت سی باتیں تاریخی طور پر بھی فرضی اور من گھڑت ہیں۔ (جیسا کہ آگے میں تفصیل کیساتھ ذکر کروں گا۔) اور جس میں بہت سی باتیں خلاف عقل و درایت بھی موجود ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علمی تنزل و انحطاط اب اس حد تک پہنچ گیا ہے۔ کہ کسی محنت کے بغیر اور عقل و درایت سے کام نہ لے کر بالکل سرسری طور پر مقالات لکھے جاتے ہیں۔ اور ایسے ہی مقالات و مضامین پر بڑی بڑی علمی ڈگریاں مل جاتی ہیں ؎

قد ادبر الامر حتی صار مختبیا ابو هبيرة ليقتي وابن شداح

چونکہ اس کتاب کے ذریعہ سے من گھڑت کہانیوں اور خرافات و ہذیانات کو تاریخی حقائق کا درجہ دیا گیا ہے۔ اور بہت سے انسانوں کے صدور میں وساوس شیطانی ڈال دیئے گئے ہیں۔ اور خطرہ ہے کہ یہ کتاب اور بھی بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دے گی۔ اور حضرت شیخ الہندؒ کی اس تحریک کی اصل شکل و صورت کو مسخ کر دیا جائیگا۔ اور معتمد ترین اور جان نثار رفقائے کار کے بارے میں مستقل بدظنی پیدا ہو گی۔ اس لئے اب میں ضروری سمجھتا ہوں کہ پوری تفصیل کے ساتھ اس کذب و افتراء کی تردید شائع کر دوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی چاہتا ہوں کہ اس فریضہ کی ادائیگی میں مجھ سے اس قدر تاخیر ہوئی ہے۔

ممکن ہے بہت سے حضرات نے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی کتاب "نقشِ حیات" جلد دوم کی وہ عبارت مطالعہ نہ کی ہو جو انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کے معتمد رفقاء کار و خدام و تلامذہ کی فہرست پیش کر کے حضرت مولانا عزیر گل صاحب دامت برکاتہم کے بارے میں تحریر فرمائی ہے۔ اس لئے میں افادۂ عام کی غرض سے وہ ساری عبارت وہاں سے نقل کرتا ہوں:

مولانا عزیر گل صاحب قصبہ زیارت[1] کاکا صاحب ضلع پشاور کے باشندہ اور دارالعلوم کے فاضل اور حضرت شیخ الہندؒ کے خادم خاص ہیں مشن کے ابتدا سے ممبر رہے ہیں۔ اور نہایت مہتم بالشان اور خطرناک کاموں کو انجام دیتے رہے۔ صوبہ سرحد اور آزاد علاقہ (یاغستان) میں سفارت کی خدمات عظیمہ انہوں نے بہت انجام دی ہیں۔ عموماً حضرت شیخ الہندؒ ان پہاڑی علاقوں میں اپنے ہم خیال اور ہمنوا لوگوں کے پاس انہیں کو بھیجا کرتے تھے۔ دشوار گزار اور خطرناک راستوں کو قطع کر کے نہایت راز داری اور ہمت و استقلال کیساتھ یہ بار بار آتے جاتے رہے ہیں۔ پہاڑی علاقوں اور ہولناک جنگلوں کو رات دن پیدل قطع کرتے رہے۔ حاجی ترنگ زئی صاحب اور علماء سرحد و یاغستان اور دیگر خوانین کو مشن کا ممبر بنایا۔ اور ان کے پاس پیغام و خطوط پہنچانا ان کو ہموار کرنا ان کا اور مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم کا فریضہ تھا جس کو ان دونوں حضرات نے اوقات مختلفہ میں انجام دیا۔ باوجودیکہ سی۔ آئی۔ ڈی۔ ان کے پیچھے لگی رہی مگر انہوں نے کبھی اس کو پتہ چلنے نہیں دیا۔ بارہا ان کو بھیس بدلنا اور انجان علاقوں میں سے گزرنا پڑا مگر نڈر ہو کر ان کو قطع کیا۔ ہر قسم کے خطرات میں بلاخوف و خطر اپنے آپ کو ڈالتے رہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے نہایت مخلص اور فدائی ہیں۔ کسی قسم کا طمع

---

[1] زیارت کاکا صاحبؒ حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے آباؤ اجداد کا مسکونہ قصبہ اور پورے صوبہ سرحد میں مشہور مرکزی جگہ ہے۔ مولانا کے والد ماجد نے وہاں سے انتقال مکانی فرمایا۔ اور مالاکنڈ ایجنسی میں درگئی کے مقام پر رہائش اختیار کی۔ اس لئے سی آئی ڈی کی رپورٹ میں آپ کو درگئی کا باشندہ بتایا گیا ہے۔ درگئی نوشہرہ سے مردان کی طرف جانے والی ریلوے لائن پر مردان سے آگے قریباً ۲۵ میل آخری ریلوے اسٹیشن ہے۔ مولانا کا قیام خود اب اپنی آبائی زمین میں واقع گاؤں میں ہے جو مردان سے قریباً ۱۸ میل بڑی سڑک پر جانے کے بعد وہاں سے ڈیڑھ میل بجانب مشرق واقع ہے۔

اور غرض نفسانی نہیں رکھی۔ نہ حضرت سے جدا ہوئے۔ لوگوں نے بہت کوششیں کیں کہ یہ جدا ہو جائیں۔ مگر انہوں نے گوارا نہ کیا۔ اور ہمیشہ عاشقانہ ولولوں کے ساتھ خدمت میں حاضر رہے۔ حتیٰ کہ مالٹا کی اسارت میں بھی انتہائی دلجمعی سے شریک اور رفیق رہے۔ ہر قسم کی خدمت کو اپنے لئے خوش نصیبی سمجھا کئے۔ لوگوں نے ان کو سی۔ آئی۔ ڈی۔ مشہور کیا۔ آوازے کسے۔ حضرتؒ کو بھڑکایا۔ بدظن کرنے کی کوششیں کیں۔ مگر حضرت مردم شناس دماغ اور قلب رکھتے تھے، ان کیطرف سے آخر تک بدظن نہ ہوئے اور آخر وقت تک ان کو ساتھ رکھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے رازدار اور مالی سرمایہ کے خزانچی اور معتمد علیہ رہے۔ حضرتؒ کی وفات کے بعد بھی عرصہ دراز تک حضرت کے مکان ہی پر قیام پذیر رہے۔ چونکہ ایام اسارت مالٹا میں اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس لئے بعض احباب کی کوششوں سے حضرت کی بھانجی کی لڑکی سے نکاح بھی ہو گیا۔ اس سے ان کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں بھی ہوئیں جو کہ ماشاء اللہ اب جوان ہو گئے ہیں۔ ایام تحریک خلافت میں دیوبند خلافت کمیٹی کی صدارت کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ضروریات معاشیہ کی بناء پر سوختہ (جلونی لکڑی) کی تجارت بھی کرتے رہے۔ پھر مدرسہ رحمانیہ رڑکی میں صدر مدرس ہو گئے۔ وہاں ہی ایک میم سے اس کی خواہش پر دوسری اہلیہ محترمہ کی وفات کے بعد نکاح کر لیا۔ پھر اپنے بچوں اور اس تیسری اہلیہ کو لے کر وطن ضلع پشاور[1] میں چلے گئے۔ اب وہاں ہی اقامت گزیں ہیں۔

(نقش حیات جلد دوم ص۱۹۱ - ص۱۹۲)

اسی طرح حضرت مدنیؒ کی دوسری کتاب "سفرنامہ اسیر مالٹا" کی چند متفرق عبارتیں جو حضرت مولانا عزیر گل صاحب سے متعلق ہیں۔ یہاں نقل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ روانگی سفر حجاز کے موقع پر حضرت مدنیؒ لکھتے ہیں:

ماہ شوال ۱۳۳۳ھ میں قصد فرمایا۔ چونکہ مولوی عزیر گل صاحب خادم خاص کو اپنے وطن کیطرف جانا اور اپنے اکابر سے ملنا اور اجازت چاہنا ضروری تھا۔ اس لئے ان کی واپسی کا انتظار فرمایا۔ (اسیر مالٹا ص۹)

---

[1] یہاں مولانا آجکل رہائش رکھتے ہیں وہ ضلع پشاور میں نہیں بلکہ ضلع مردان میں ہے وہاں انکی آبائی مملوکہ زمین ہے۔ وہاں ۱۹۴۵ء میں دیوبند سے آکر کچا مکان بنوایا اور رہنے لگے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

حج اور زیارت روضہ مطہرہ کے بعد :

بالآخر مولانا کے رفقاء کے سفر کا وقت آگیا۔ مولانا ہر ایک کی وطنی مزدوروں اور ملازمت اور قرابت کے علائق سے بخوبی واقف تھے۔ سبھوں کو حکم دیا کہ اب تم لوگ حج و زیارت سے فارغ ہو چکے ہو۔ وطن کو واپس چلے جاؤ۔ میں یہاں قیام کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ جملہ رفقاء بجز مولانا عزیر گل صاحب، مولوی ہادی حسن صاحب و وحید احمد سب روانہ ہو گئے۔

(اسیر مالٹا صفحہ ۱۷)

واقعہ اسارت مالٹا کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :

صبح کو شیخ المطوفین احمد شبی مولانا کے پاس مکان پر پہنچا۔ اس وقت حضرت مولاناؒ کے پاس مولوی عزیر گل صاحب اور دوسرے رفقاء تھے، کاتب الحروف نہ تھا۔ اس نے کہا کہ تمہاری گورنمنٹ جس کی تم رعایا ہو تم کو طلب کرتی ہے --------

مولوی عزیر گل صاحب سے اس کی کچھ زیادہ گفتگو ہوئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم یہاں کسی کافر گورنمنٹ کو نہیں پہچانتے ہم حرم خداوندی میں امان لئے پڑے ہیں۔ اگر شریف ہم کو یہاں سے نکالتے ہیں تو ہم خوشی سے نہ جائیں گے۔ جب تک کہ تم کو ڈنڈے کے زور سے نہ نکالو۔ وہ کچھ پیچ و تاب کھا کر جواب دے رہا تھا۔ اتنے میں پہنچ گیا۔ الخ

(اسیر مالٹا۔ صفحہ ۲۷)

مکہ معظمہ میں گرفتاری کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اس کے بعد پولیس نے مولاناؒ کو تلاش کیا۔ چونکہ مکان پر موجود نہ تھے اس لئے مولوی عزیر گل صاحب اور حکیم نصرت حسین صاحب کو پکڑا۔ اور کہا کہ جہاں سے ممکن ہو مولانا کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ انہوں نے میری نسبت دریافت فرمایا تو یہ جواب ملا کہ وہ تو قید خانہ میں ہے۔ ان دونوں خدام نے مولانا کے بارے میں لاعلمی بیان کی۔ باوجود سخت تقاضے اور دھمکی موت کے ان خدام نے کچھ پتہ نہیں دیا۔ بالآخر یہ دونوں اسی مکان میں حضرت کی آمد تک مقید رکھے گئے اور شریف کے نوکر مع اکثر حضرت کی تلاش میں رہے۔

(اسیر مالٹا۔ صفحہ ۱۸)

جب شام کا وقت ہو گیا اور مولانا باوجود تفتیش کثیر ہاتھ نہ لگے تو پھر شریف کو خبر دی گئی کہ مولانا تو ہاتھ نہیں آئے خدا جانے کہاں ہیں۔ شریف نے حکم دیا کہ اگر عشاء تک مولانا آموجود نہ

ہوئے تو دونوں ساتھیوں کو گولی سے مار دو۔ اور مطوف کو سو کوڑے لگاؤ۔ اور مطوفیت چھین لو۔ اس خبر کی وجہ سے مطوف صاحب کو نہایت پریشانی ہوئی اور مولانا کو بھی خبر پہنچی۔ مولانا نے فرمایا کہ میں کسی طرح گوارا نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کسی کو کوئی آزار پہنچایا جائے جو کچھ ہوگا میں اپنے سر پر جھیلوں گا۔ اور نکلنے کیلئے تیار ہوئے۔ الخ (ص ۴۱)

مصر کے قید خانہ کے حالات تحریر فرماکر لکھتے ہیں:

حقیقت میں مولانا مرحوم کو اپنی جان کا کوئی فکر نہ تھا۔ جیسا کہ آن کے کلام سے معلوم ہوا فقط ان کو دو فکر تھے۔ ایک یہ کہ میری وجہ سے یہ چند رفقاء بھی اذیت اور تکالیف میں پڑے۔ خدا جانے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ (ص ۵۲)

فرمایا کہ مجھ کو برابر یہ خیال دامنگیر رہا کہ میری وجہ سے تم سب بھی پکڑے گئے اور پھر اس خیال نے کہ غالباً سبھوں کو سزائے موت دی جائے گی۔ اور بھی بے چین کر دیا تھا۔ میرا کچھ نہیں تھا۔ میں اپنی طبعی عمر سے تجاوز کر چکا ہوں۔ مگر تم سب کی طرف سے بہت بڑا خیال تھا اور ہے۔ کہ تم سب نوعمر میری وجہ سے گرفتار ہوئے۔ خدام نے عرض کیا کہ یہ سب خدا کے راستہ میں واقع ہوا ہے۔ پھر کیا فکر ہے۔ (اسیر مالٹا ص ۵۳)

ہم قسمیہ کہہ سکتے ہیں کہ باوجودیکہ ہم نئے پھنسے ہوئے تھے۔ کبھی ایسے احوال ہم پر گذرے نہ تھے۔ نوعمر تھے۔ اپنے جملہ عزیز و اقارب سے جدا تھے۔ بالکل پردیس میں تھے نہ کوئی مونس تھا نہ غمگسار نہ واقف نہ رازدار۔ مگر نہ کسی چھوٹے کو نہ بڑے کو کوئی اضطراب کوئی قلق کوئی بے چینی نہ تھی۔ رونا دھونا جزع فزع کرنا جیسے کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ یہ تو درکنار دل میں بھی ذرا سی گھبراہٹ نہ تھی۔ نہ گھر کے اعزہ و اقارب کی یاد بے چین کرتی تھی۔ حالانکہ عام طور سے ہم سب کو یقین یا ظن غالب پھانسی کا تھا۔ مولوی عزیز گل صاحب تو اپنی کوٹھری میں رہ رہ کر اپنی گردن اور گلے کو پھانسی کیلئے ناپتے اور دباتے تھے تاکہ ذرا عادت ہو جائے۔ اور پھانسی کے وقت یکبارگی تکلیف نہ پیش آئے۔ اور تجربہ کرتے تھے کہ دیکھوں کس قسم کی تکلیف ہوتی ہے۔ مگر سب کے دل نہایت مطمئن تھے۔ ص ۵۵

تمام رفقاء سے جو سوالات بلا کر علیحدہ علیحدہ پوچھے گئے تھے۔ ان کا ذکر کرکے فرماتے ہیں:

مولوی عزیز گل صاحب سے حدود کے واقعات، قبائل کے احوال، سید احمد شہید مرحوم و مغفور کے قافلہ کی خبریں حاجی صاحب اسی زمانہ میں انگریزی علاقہ سے اپنے اہل و عیال

کرے کر یاغستان میں چلے گئے تھے۔ اور وہاں جاکر مشہور ہوا تھا کہ انہوں نے جہاد قائم کیا ہے۔ مولوی سیف الرحمن صاحب مولوی عبیداللہ صاحب، مولوی محمد میاں صاحب وغیرہ وغیرہ حضرات کے متعلق زمین وآسمان کی واہی تباہی باتیں پوچھیں جن کا نہ سر تھا نہ پیر مگر مولوی صاحب نے نہایت استقلال سے اپنے پٹھانی (ولایتی) اکھڑپنے سے سب کا جواب دیا۔ اور بہت ہی متین جواب دیا۔ ص۵۸

حضرت مدنیؒ مالٹا کی اسارت کے دوران رفقاء کی مشغولیتوں کا ذکر کرکے لکھتے ہیں:

مولوی عزیر گل صاحب مختلف اوقات میں اعمال سلوک تعلیم کردہ حضرت مولانا مرحوم میں مشغول رہتے تھے۔ اور پھر کچھ وقت قرآن شریف کے یاد کرنے میں بھی صرف کرتے تھے۔۔۔۔۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت ان پر بہت زیادہ تھی۔ اور بہت بے تکلفی سے اُن سے رہتے تھے۔ جو بے تکلفی ان سے برتتے رہے وہ اور کسی کے ساتھ عمل میں نہیں آئی۔ (اسیر مالٹا ص۱۱)

قارئین ان مختلف عبارات کو پڑھ کر ان سے اندازہ لگائیں کہ حضرت مولانا مدنیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے جانشین تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ وخدام میں ان کو سب سے بڑھ کر ممتاز درجہ حاصل تھا۔ وہ حضرت کے عاشق وجان نثار تھے۔ اور حضرتؒ کی محبت میں ان کو فنافی الشیخ کا درجہ حاصل تھا۔ اُن کی مندرجہ بالا شہادتوں اور ان کی تصدیق وتصویب کے بعد کسی بھی دوسرے کی شہادت اور تصدیق کی حاجت باقی نہیں رہتی ——.

حضرت مولانا مدنیؒ کو اپنے رفیقِ اسارت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ کیساتھ اپنی وفات کے آخری لمحات تک جو تعلق رہا۔ جو محبت اور الفت رہی اور جو ہمدردی وخیر خواہی کا جذبہ رہا۔ جو بے تکلفی رہی وہ کسی سے مخفی نہیں اور وہ ایک بالکل واضح حقیقت ہے۔ تحریک خلافت میں باقاعدہ حصہ لینے کے بعد حضرت مولانا مدنیؒ نے مولانا عزیر گل صاحب کو نواکھالی (مشرقی پاکستان) کے ایک عربی مدرسہ میں اپنے ایک معتمد رفیق کار کی حیثیت سے بھیجا تھا۔ پھر آپ ہی کے مشورہ سے آپ راندیر ضلع سورت میں صدر مدرس رہے۔ راندیر میں مولانا محمد ابراہیم صاحب حضرت شیخ الہندؒ کے خاص تلامذہ اور معتمد خدام میں سے تھے انہوں نے راندیر میں مولانا عزیر گل صاحب کا اعزاز واکرام اور ہر معاملہ میں پورا تعاون اس حیثیت سے کیا کہ یہ حضرت شیخ الہندؒ کے خاص خادم۔ خاص معتمد علیہ اور خاص رازدار ہیں۔ اور ان کی خدمت اور ان کے اعزاز سے حضرت شیخ الہندؒ کی روح کو خوشیاں حاصل ہوں گی۔ نواکھالی اور راندیر

کے سفر کے اس زمانہ میں حضرت مدنیؒ دیوبند میں آپ کے گھر کی خبر گیری اس طرح فرماتے تھے۔ جیساکہ کوئی اپنے عزیز ترین بھائی کے گھر بار کی خبر لیتا ہے۔ اور متعلقہ احوال کیا کرتا ہے۔ راندیر سے واپس تشریف لے آنے کے بعد حضرت مدنیؒ ہی نے رڑکی کے مدرسہ رحمانیہ واقع جامع مسجد میں بہ اصرار شدید آپ کا تقرر فرمایا۔ کہ یہ مدرسہ ہمارے اکابر کا بنا کردہ ہے۔ یہاں اپنے خاص معتمد شخص کا صدر مدرس ہونا ضروری ہے۔ مارچ ۱۹۴۵ء میں حضرت مولانا عزیز گل صاحب رڑکی سے نقل مکانی کرکے اپنی آبائی زمین میں واقع گاؤں تشریف لائے (وجہ آگے ذکر کروں گا) اور یہاں معمولی سا دیہاتی مکان بناکر رہائش اختیار کی تو اس کے بعد بھی محبت و مؤدت کے یہ گہرے تعلقات اسی طرح قائم رہے۔ آخر تک حضرت مدنیؒ کی جو نظر شفقت و محبت ان پر اور اسی طرح ان کے دوسرے برادر خورد استاذنا المحترم و مخدومنا المکرم حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع نور اللہ مرقدہٗ وادخلہ جنات النعیم پر تھی ویسی شاید کسی بھی دوسرے پر نہیں تھی۔

اور جیساکہ حضرت مدنیؒ نے سفرنامہ اسیر مالٹا میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ "مولاناؒ کی نظر عنایت ان پر بہت زیادہ تھی۔ اور بہت بے تکلفی سے ان سے رہتے تھے۔ جو بے تکلفی ان سے برتتے رہے وہ اور کسی کے ساتھ عمل میں نہیں آئی۔" وہ اپنے شیخ کامل کے نقش قدم پر اس معاملہ میں بھی چل کر آپ نے حضرت مولانا عزیز گل صاحب کے ساتھ بالکل ایسا بے تکلف برادرانہ تعلق محبت جاری رکھا اور آپ پر نظر عنایت بہت زیادہ تھی۔ اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ کے دوسرے ارشد تلامذہ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور دوسرے اکابر علماء آپ کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کے ایک مخلص و جان نثار اور صاحب السر تلمیذ و خادم کی حیثیت سے اور حضرت شیخؒ کے ساتھ خصوصی تعلق و نسبت رکھنے کی بنیاد پر خلوص محبت فرمایا کرتے تھے۔ اور ان سب حضرات اکابر علماء کرام کی نگاہوں میں حضرت مولانا عزیز گل صاحب مدظلہٗ کی خاص اہمیت اور نمایاں وقعت تھی۔ ان سب حضرات سے عمر میں کم ہونے کے باوجود وہ ان کو اکابر کی صف میں شمار کرتے تھے۔ اور نہایت مشفقانہ انداز میں اعزاز و اکرام فرماتے تھے۔ بلکہ یہ سب حضرات ان کی ایسی نازبرداری کرتے تھے جس کو دیکھ کر بڑوں بڑوں کو رشک آتا تھا۔ اگرچہ خود ان کی اپنی سعادت مندی یہ تھی اور تواضع و انکساری اور اخلاص وللہیت کا مظاہرہ یہ تھا کہ ہمیشہ اپنے آپ کو ان اکابر کے سامنے ان کا ادنیٰ شاگرد سمجھتے رہے اور نیازمندانہ تعلق ارادت و عقیدت قائم رکھا۔ مجھے اس وقت اپنی آنکھوں دیکھا ہوا ایک منظر سامنے آرہا ہے۔ میرے زمانۂ طالب العلمی کا واقعہ ہے۔ کہ دارالعلوم دیوبند کے کسی

معاملہ کے سلسلہ میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کوئی اہم مشورہ ان سے لینا چاہتے تھے۔ نئے تعمیر شدہ مکان میں مولانا عثمانیؒ نے مولانا عزیر گل صاحب سے فرمایا کہ مجھے آپ کے خلوص اور اصابت رائے پر پورا پورا اعتماد ہے۔ اس لئے آپ مجھے اس بارے میں مشورہ دیا کریں۔ اور دو دن کیلئے آپ رڑکی نہ جائیں۔ یہاں دیوبند میں رہیں۔ انہوں نے یہ عذر پیش فرمایا کہ آج مدرسہ رڑکی کی رخصت ختم ہو رہی ہے۔ وہاں حاضری بھی ضروری ہے۔ مولانا عثمانیؒ نے فرمایا۔ آپ ضرور رہیں۔ مجھے آپ ہی پر اعتماد ہے۔ میں تار دے کر اپنی طرف سے رخصت آپ کیلئے منظور کرا دوں گا۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے تمام خاندان والے آخر تک آپ کی عزت کیا کرتے تھے۔ حضرتؒ کی وفات کے بعد سالہا سال تک آپ کا قیام بھی حضرتؒ کے مکان ہی پر ایک فردِ خاندان ہی کی طرح رہا۔ اور اسی بناء پر اہل خاندان نے حضرتؒ کی بھانجی کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح بھی کرایا۔ اور وہ سمجھ رہے تھے کہ حضرتؒ کے بعد ان کی یادگار آپ ہی ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کے محبوب اور لاڈلے نواسے مولوی محمد عثمان صاحب کا آخر تک آپ سے نہایت گہرا تعلق رہا۔ اور نہایت عقیدت اور محبت سے پیش آتے رہے۔

الغرض حضرت شیخ الہندؒ سے کسی قسم کا بھی تعلق رکھنے والے حضرات اس وقت سے لے کر اب تک آپ کو مخلص و جاں نثار خادم اور تحریک میں راز دار اور قابل اعتماد کارکن قرار دیتے رہے۔ اس کتاب میں "عبدالرحمٰن" نے اپنے کذب و افتراء اور من گھڑت کہانیوں اور دروغ بافیوں کو قابل اعتبار قرار دینے کیلئے ایک طویل تمہید باندھی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ حضرت شیخ الہندؒ میں حسن اعتماد بہت تھا۔ ایسے افراد کو مشیر کار اور راز دار بنایا جو اندرونی طور پر انگریزوں کے جاسوس تھے۔ وہ ان جاسوسوں کو پہچان نہ سکے۔ لوگوں نے توجہ بھی دلائی لیکن حضرت نے اسے محض بدگمانی سمجھ کر پرواہ نہ کی۔

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ جیسے ذہین و فطین، حاضر دماغ، ذکی الطبع متیقظ و متوقد اور صاحب کشف و فراست تجربہ کار بزرگ تو سالہا سال کی شب و روز اور حضر و سفر کی رفاقت کے باوجود آخر وقت وفات تک، مولانا عزیر گل صاحب کو پہچان نہ سکے اور وفات کی آخری گھڑی تک ان کے بارے میں سخت مغالطہ میں مبتلا رہے۔ اور حضرت مدنیؒ اور دوسرے سینکڑوں متعلقین شیخ الہندؒ اور ان کے تمام اہل خاندان کی غباوت اس درجہ تھی کہ وہ مدت العمر اسکی اصل حقیقت معلوم نہ کر سکے اور اب چالیس پچاس سال گذر جانے کے بعد یکایک ہزارہ کے پہاڑوں کے ایک باسی کو (جو لاہور میں سوشلسٹوں کی چوکھٹ پر سجدہ ریزی کر کے ان کے تر نوالوں سے اپنے پیٹ کا جہنم بھر کر ان کا حق نمک ادا کر رہا ہے)

کشف ہوا۔ (یا یوں کہئے کہ شیطان نے القاکیا۔) کہ حضرت شیخ الہندؒ اور دوسرے تمام اکابر علماء کو ان کے بارے میں سخت غلطی لگ گئی تھی اور وہ عمر بھر اسے سمجھ نہ سکے۔ میں اب بتاتا ہوں کہ وہ درحقیقت انگریزی جاسوس تھا۔ ؏ در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید۔

اب میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ ؏

شرم تم کو مگر نہیں آتی

اذا فاتك الحياء فاصنع ما شئت ۔ ڈھیٹ اور بے حیا بن کر اور خوف خدا سے بے نیاز ہو کر ہر طرح کی بات کہی جا سکتی ہے۔ اور اس "عبدالرحمٰن" نے اس کا ایک نمونہ پیش کر دیا۔ یہ سنا کرتے تھے۔ دیوانہ گفت وابلہ باور کرد، مگر یقین نہیں آتا تھا۔ کہ پاگلوں، دیوانوں اور افیونیوں کے ہانکے ہوئے بڑ پر کوئی کیسے باور کرے گا۔ خواہ وہ ابلہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ بھی دیکھنا پڑا۔ کہ اس دیوانے، مخبوط الحواس سیاہ باطن کی بے تکی باتوں کو بھی کچھ لوگوں نے باور کر کے مستند مان لیا۔ اور اپنے مضامین ومقالات میں ان خرافات کو بھی نقل کرنے لگ گئے۔ اب ان کو اَبلہ کہیں یا کچھ اور۔ فیا للعجب ولضیعۃ الادب۔

درحقیقت چاہئے تو یہ تھا کہ ایک ایسے بزرگ کے بارے میں جب یہ بات لکھی گئی جن کے بارے میں اب تک تمام اکابر علماء کرام پورے اعتماد کا اظہار قول وعمل سے فرما رہے تھے۔ اور سب نے ان کو حضرت شیخ الہندؒ کا مخلص ترین جان نثار خادم ہمیشہ تسلیم کیا۔ تو پڑھنے کے ساتھ ہی پر زور الفاظ میں اس کی تردید ہر پڑھنے والا کرتا اور کہتا کہ:

ھٰذا افك مبين ، سبحانك ھٰذا بهتان عظيم

اب میں چاہتا ہوں کہ اس کتاب کے اکاذیب ومفتریات کی تردید ترتیب وار محکم دلائل کے ساتھ کر کے احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ ادا کروں۔ تاکہ اس کے بعد کسی کو حقیقت معلوم نہ ہونے کا عذر باقی نہ رہے۔

ليحيى من حيّ عن بيّنة ويهلك من هلك عن بيّنة

(باقی آئندہ)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

سید احمد شہیدؒ
اور
شہدائے بالاکوٹ کا پیغام
اہلِ پاکستان کے نام

تم ایسے کفرانِ نعمت اور ایک ایسی بدعہدی کے مرتکب ہوگئے جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ ہم نے جس زمین کے چپے چپے کے لئے جدوجہد کی اور اس کو اپنے خون سے رنگین کر دیا، اکوڑہ خٹک اور شیدو کے میدان اور طورو اور مایار کی رزم گاہ سے لے کر بالاکوٹ کی شہادت گاہ تک ہمارے خونِ شہادت کی مہریں اور ہمارے شہیدوں کی قبریں ہیں۔ تم کو خدا نے اس زمین کے وسیع رقبہ اور سرسبز و شاداب خطے سپرد فرمائے اور بعض اوقات قلم کی ایک جنبش اور برائے نام کوشش نے تم کو عظیم سلطنتوں کا مالک بنا دیا —

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۔

(پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں جانشین کیا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (یونس ۱۴)

اب اگر تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور تم نے آزادی کی اس نعمت اور خداداد سلطنت کی اس دولت کو جاہ و اقتدار کے حصول اور حقیر و فانی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنایا۔

بالاکوٹ کے معرکہ میں وہ پاک نفوس شہید ہوئے جو عالم انسانیت کے لئے رونق و زینت، اور مسلمانوں کے لئے شرف و عزت اور خیر و برکت کا باعث تھے۔ مردانگی و جوانمردی، پاکیزگی و پاکبازی تقدس و تقویٰ، اتباع سنت و شریعت اور دینی حمیت و شجاعت کا وہ عطر جو خدا جانے کتنے باغوں کے پھولوں سے کھینچا گیا تھا، اور انسانیت اور اسلام کے باغ کا جیسا عطر مجموعہ صدیوں سے تیار نہیں ہوا تھا، اور جو ساری دنیا کو معطر کرنے کے لئے کافی تھا۔ ۲۴ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ کو بالاکوٹ کی مٹی میں مل کر رہ گیا۔ مسلمانوں کی نئی تاریخ بنتے بنتے رہ گئی، حکومت شرعی ایک عرصہ کے لئے خواب بے تعبیر

ہوگئی، بالاکوٹ کی زمین اس پاک خون سے لالہ زار اور اس گنج شہیداں سے گلزار بنی جس کے اخلاص وللہیت، جس کی بلند ہمتی و استقامت، جس کی جرأت و ہمت اور جس کے جذبۂ جہاد و شوق شہادت کی نظیر پچھلی صدیوں میں ملنی مشکل ہے۔ بالاکوٹ کی سنگلاخ و ناہموار زمین پر چلنے والے بے خبر مسافر کو کیا خبر کہ یہ سر زمین کن عشاق کا مدفن اور اسلامیت کی کس متاعِ گرانمایہ کا مخزن ہے ہے

یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے قدم سنبھال کے رکھیو یہ تیرا باغ نہیں

اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے ایک مخلص بندہ کے ہاتھ پر اپنے مالک سے اس کی رضا اس کے نام کی بلندی اور اس کے دین کی فتح مندی کے لئے آخری سانس تک کوشش اور اس کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دینے کا عہد کیا تھا، جب تک ان کے دم میں دم رہا اسی راہ میں سرگرم رہے بالآخر اپنے خونِ شہادت سے اس پیمانِ وفا پر آخری مہر لگا دی، یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ۲۴ ر ذوالقعدہ کا دن گزر کر جو رات آئی وہ پہلی رات تھی، جس رات کو وہ سبکدوش و سبک سر ہو کر میٹھی نیند سوئے۔

وہ خلعتِ شہادت پہن کر جس کریم کی بارگاہ میں پہنچے وہاں نہ مقاصد کی کامیابی کا سوال ہے نہ کوششوں کے نتائج کا مطالبہ، نہ شکست و ناکامی پر عتاب ہے۔ نہ کسی سلطنت کے عدم قیام پر محاسبہ وہاں صرف دو چیزیں دیکھی جاتی ہیں، صدق و اخلاص اور اپنی مساعی اور وسائل کا پورا استعمال، اس لحاظ سے شہداء بالاکوٹ اس دنیا میں سرخرو ہیں، اور انشاء اللہ دربار الٰہی میں بھی باآبرو، کہ انہوں نے اخلاص کے ساتھ اپنے مالک کی رضا کے لئے اپنی مساعی اور وسائل کے استعمال میں ذرہ برابر کمی نہیں کی، ان کا وہ خونِ شہادت جو ہماری مادی نگاہوں کے سامنے بالاکوٹ کی مٹی میں جذب ہو گیا۔ اور اس کے جو چھینٹے پتھروں پر باقی تھے ۲۶ ر ذوالقعدہ کی بارش نے ان کو بھی دھو دیا، وہ خون جس کے نتیجہ میں کوئی سلطنت قائم نہیں ہوئی کسی قوم کا مادی و سیاسی عروج نہیں ہوا۔ اور کوئی نخل آرزو اس سے سرسبز ہو کر بار آور نہیں ہوا اس خون کے چند قطرے اللہ کی میزان عدل میں پوری پوری سلطنتوں سے زیادہ وزنی ہیں۔ یہ فقیرانِ بے نوا جنہوں نے عالم مسافرت میں بے کسی کے ساتھ جان دی اور جن کی اب دنیا میں کوئی مادی یادگار نہیں۔ یہ اللہ کے یہاں ان بانیانِ سلطنت اور مؤسسین حکومت سے کہیں زیادہ قیمتی اور معزز ہیں۔ جن کی تصویر قرآن نے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ۔ (منافقون ۴)

بیشک شہدائے بالاکوٹ کے خون نے دنیا کے سیاسی و جغرافیائی نقشہ میں کوئی فوری تغیر نہیں پیدا کیا، خونِ شہادت کی ایک مختصر سی سرخ لکیر ابھری تھی، اس کی جگہ نہ جغرافیہ نویس کے طبعی نقشہ میں بھی

نہ مورخ کے سیاسی مرقع میں، لیکن کسے خبر کہ یہ خونِ شہادت دفترِ قضا و قدر میں کس اہمیت و اثر کا مستحق سمجھا گیا، اس نے مسلمانوں کے نوشتۂ تقدیر کے کتنے دھبے دھوئے، اس نے اللہ تعالیٰ کے یہاں محو و اثبات کا عمل جاری رہتا ہے۔ "یمحو اللہ ما یشاء و یثبت وعندہ ام الکتاب" (رعد ۳۹) کون سے نئے فیصلے کروائے، اس نے کسی مستحکم سلطنت کے لئے خاتمہ و زوال اور کسی پسماندہ قوم کے لئے عروج و اقبال کا فیصلہ کروایا، اس سے کس قوم کا بخت بیدار ہوا، اور کس سرزمین کی قسمت جاگی اس نے کتنی بظاہر ناممکن الوقوع باتوں کو ممکن بنادیا اور کتنی بعید از قیاس چیزوں کو واقعہ اور مشاہدہ بنا کے دکھا دیا۔

یوں تو شہداء بالاکوٹ میں سے ہر فرد کا پیغام یہ ہے کہ "یا لیت قومی یعلمون . بما غفر لی ربی وجعلنی من المکرمین." (یٰسین ۲۶، ۲۷) مگر گوش شنوا اور دیدۂ بینا کے لئے ان کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ ہم ایک ایسے خطۂ زمین کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ جہاں ہم اللہ کے منشاء اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گذار سکیں، جہاں ہم دنیا کو اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کا نمونہ دکھا کر اسلام کیطرف مائل اور اس کی صداقت و عظمت کا قائل کر سکیں، جہاں نفس و شیطان حاکم و سلطان اور رسم و رواج کی بجائے خالص اللہ کی حکومت و اطاعت ہو۔ "ویکون الدین کلہ للہ" (الانفال ۳۹) جہاں طاعت و عبادت اور صلاح و تقویٰ کے لئے اللہ کی زمین وسیع اور فضا سازگار ہو، اور فسق و فجور و معصیت کے لئے زمین تنگ اور فضا ناسازگار ہو، جہاں ہم کو صدیاں گذر جانے کے بعد پھر "الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر." (وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں، تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے۔ (الحج: ۴۱) کی تفسیر پیش کرنے کا موقع مل سکے، تقدیر الٰہی نے ہمارے لئے اس سعادت و مسرت اور اس آرزو کی تکمیل کے مقابلے میں میدان جنگ کی شہادت اور اپنے قرب و رضا کی دولت کو ترجیح دی، ہم اپنے رب کے اس فیصلہ پر رضامند و خورسند ہیں، اب اگر اللہ نے تم کو دنیا کے کسی حصہ میں کوئی ایسا خطہ زمین عطا فرمایا، جہاں تم اللہ کے منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق زندگی گذار سکو، اور اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرہ کے قائم کرنے میں کوئی مجبوری مخل اور کوئی بیرونی طاقت حائل نہ ہو، پھر بھی تم اس سے گریز کرو، اور ان شرائط و اوصاف کا ثبوت نہ دو جو مہاجرین و مظلومین کے اقتدار اور سلطنت کا تمغۂ امتیاز ہیں۔ تو تم ایسے کفران نعمت اور ایک ایسی بدعہدی کے مرتکب ہو گئے جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے، ہم نے جس زمین کے چپے چپے کے لئے جدوجہد کی اور اس کو اپنے خون سے رنگین کر دیا، اکوڑہ خٹک اور شیدو کے میدان اور طورو اور رمایار کی رزم گاہ

سے لے کر بالاکوٹ کی شہادت گاہ تک ہمارے خونِ شہادت کی مہریں اور ہمارے شہیدوں کی قبریں ہیں۔ تم کو خدا نے اس زمین کے وسیع رقبہ اور سرسبز و شاداب خطے سپرد فرمائے، اور بعض اوقات قلم کی ایک جنبش اور برائے نام کوشش نے تم کو عظیم سلطنتوں کا مالک بنا دیا۔ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۔" (پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں جانشین کیا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (یونس ۱۴)

اب اگر تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور تم نے آزادی کی اس نعمت اور خداداد سلطنت کی اس دولت کو جاہ و اقتدار کے حصول اور حقیر و فانی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنایا، تم نے اپنے نفوس اور اپنے متعلقین، ملک کے شہریوں اور باشندوں پر خدا کی حکومت اور اسلام کا قانون نہ جاری کیا۔ اور تمہارے ملک اور تمہاری سلطنتیں اپنی تہذیب و معاشرت اور اپنے قانون و سیاست اور تمہارے حاکم اپنے اخلاق و سیرت اور اپنی تعلیم و تربیت میں غیر اسلامی سلطنتوں اور غیر مسلم حاکموں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے، تو تم آج دنیا کی ان قوموں کے سامنے جن سے تم نے مسلمانوں کے لئے الگ خطۂ زمین کا مطالبہ کیا۔ اور کل خدا کی عدالت میں جہاں اس امانت کا ذرّہ ذرّہ حساب دینا پڑے گا۔ کیا جواب دو گے۔؟ خدا نے تم کو ایک ایسا نادر و زریں موقعہ عطا فرمایا ہے جس کے انتظار میں چرخ کہن نے سینکڑوں کروٹیں بدلیں اور تاریخ اسلام نے ہزاروں صفحے الٹے جس کی حسرت و آرزو میں خدا کے لاکھوں پاک نفس اور عالی ہمّت بندے دنیا سے چلے گئے، اس موقع کو اگر تم نے ضائع کر دیا تو اس سے بڑا تاریخی سانحہ اور اس سے بڑھ کر حوصلہ شکن اور یاس انگیز واقعہ نہ ہوگا، بالاکوٹ کے ان شہیدوں کا جو ایک دور افتادہ بستی کے ایک گوشہ میں آسودۂ خاک ہیں، ان سب لوگوں کے لئے جو اقتدار و اختیار کی نعمت سے سرفراز اور ایک آزاد اسلامی ملک کے باشندے ہیں۔ پیغام ہے۔ "هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۔"

ریڈیائی تقریر

از حضرۃ مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

حجۃ الاسلام
مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

تاریخ کی ایک زندۂ جاوید شخصیت

آل انڈیا ریڈیو دہلی نے اپنے یہاں علماء اور مصلحین امت کے تعارف کے لئے ایک سلسلۂ تقریر شروع کیا تھا۔ اس سلسلہ کی پہلی تقریر حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کی تھی جو حضرت مولانا نانوتویؒ کے متعلق براڈ کاسٹ ہوئی، ہم اس سلسلہ کی پہلی تقریر بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم شائع کر رہے ہیں۔ ـــــ ادارہ ـــــ

میری اس تقریر کا موضوع ہندوستان کی اسلامی تاریخ کی ایک زندہ جاوید شخصیت حجۃ الاسلام حضرۃ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند ہے۔ حضرت ممدوح کی ولادت ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں اور وفات ۱۲۹۷ھ (۱۸۷۹ء) میں ہوئی، اس ۴۹ سال کی قلیل مدت میں آپ نے اسلامی اور قومی خدمت کے سلسلہ میں جو عظیم کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ وہ صدیوں کی وسعت کے لئے جنہیں ہندوستان ہی نہیں پوری اسلامی دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

۱۸۵۷ء میں آپ نے اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ہندوستان سے غیر ملکیوں کا قبضہ اٹھانے کے لئے جنگ لڑی لیکن جنگ میں شکست ہوگئی اور ملک پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔ اس سے تمام ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے اور ان میں احساسِ کہتری کے ساتھ ایک عام مایوسی پھیل گئی، ادھر مشنریوں نے عیسائی اقتدار کے زیر سایہ صاف صاف یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ انگریزوں کے لئے یہ ملک (ہندوستان) عیسیٰ مسیح کا عطیہ اور امانت ہے۔

اس لئے اس میں مسیحی مذہب ہی کی اشاعت اور ترویج ہمارا نصب العین ہے اور ساتھ ہی کھلے بندوں ہندوستان کے تمام مذاہب اور خصوصیت سے اسلام پر اعتراضات اور اتہامات کی بوچھاڑ بھی شروع کر دی، نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کے باشندے مایوسی میں مبتلا ہو کر اور بالخصوص مسلمان اس ابھرتی ہوئی مغربی تہذیب و تعلیم سے الحاد و دہریت کی زد میں بہنے لگے اور صاف نظر آنے لگا کہ اگر یہی لیل و نہار رہے تو وہ دن دور نہیں کہ آئندہ نسلیں خواہ وہ کسی بھی قوم کی ہوں خود اپنے اخلاقی نظام اور تہذیب و کلچر سے بیگانۂ محض ہو کر رہ جائیں گی۔

حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے اپنے نورِ معرفت سے وقت کی رفتار اور اس کے خطرناک نتائج کا اندازہ لگایا اور باشاراتِ غیب ہندوستان کے تمام باشندوں کو بجائے آپس میں الجھنے کے ایک عالمی نقطۂ نظر پر ڈال دینے اور قوم میں ایک ذہنی انقلاب لانے کی ضرورت محسوس فرمائی تاکہ یہ احساسِ کہتری دور ہو۔ اس کے لئے آپ نے تعلیم و تربیت کا راستہ اختیار فرمایا۔ جو بے ضرر اور رسمی سیاست سے دور تھا، چنانچہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اپنی ایمانی فراست سے چھنے ہوئے اقتدار کا نعم البدل تعلیمی راہ سے حریتِ فکر کے بقاء و ارتقاء کو قرار دیا اور اپنا یہ عظیم مقصد ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۶ء) میں دارالعلوم دیوبند قائم فرما کر بآسانی حاصل کر لیا۔ اس الہامی نقطۂ فکر کے تحت دارالعلوم دیوبند محض ایک مدرسہ نہیں بلکہ حریتِ فکر اور استقلالِ وطن کے جذبات کو زندہ رکھنے کا ایک ہمہ گیر مکتبِ فکر اور عظیم تحریک ہے، دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد مولانا محمد قاسمؒ نے مقصد کی اہمیت کے تحت ملک گیر پیمانہ پر مدارس قائم فرمانے شروع کئے اور بنفسِ نفیس خود جا کر، مراد آباد، گلاؤٹھی، امروہہ، مظفر نگر وغیرہ میں مدارس قائم فرمائے اور جا بجا اپنے متوسلین کو زبانی اور خطوط کے ذریعہ قیام مدارس کی ہدایت فرمائی چنانچہ بہت سے مدارس ہندوستان میں حضرت کی زندگی ہی میں قائم ہو گئے اور پھر حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے حریتِ فکر کے امین فضلاء نے پورے ملک میں حتیٰ کہ انہیں فضلاء نے ایشیا افریقہ اور یورپ کے ممالک میں بھی اسی قاسمی طرزِ فکر پر تعلیم گاہیں قائم کیں اور میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ آج انگلستان میں یہ قاسمی فکر فروغ پا رہا ہے، عالمی پیمانہ پر ہندوستان میں مفت تعلیم کا سب سے پہلا عوامی مرکز مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہے جس کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو صاحبِ دل علماء اور صداقت شعار رفقاء کار حضرت مولانا رشید احمد صاحب، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمہم اللہ وغیرہ کا مخلصانہ تعاون حاصل رہا، یہ ہی دارالعلوم دیوبند آج ایشیا کی سب سے بڑی اسلامی مرکزی اور اقامتی یونیورسٹی بن کر ایک خاص مکتبِ فکر کی حیثیت سے

بین الاقوامی شہرت وعظمت کا حامل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند کو ایسے اصولوں پر قائم فرمایا، جن کے تحت روز اول سے یہ درسگاہ ایک عوامی ادارہ کی پوزیشن میں نمایاں ہوئی چنانچہ حضرت والا نے اس سلسلہ میں آٹھ اصول اپنے دست مبارک سے لکھے جو دارالعلوم کے تاریخی ریکارڈ میں آج بھی محفوظ ہیں۔ اور آج تک ہر دور میں بانئ دارالعلوم کے ان الہامی اور اساسی رہنما اصولوں کی پوری پوری حفاظت ورعایت کی جاتی رہی ہے۔ یہ اصول درحقیقت دارالعلوم دیوبند کی معنوی بنیادیں ہیں جن پر اس کی ظاہری اور باطنی تعمیر کھڑی ہوئی۔ اور نہ صرف دارالعلوم کی بلکہ ان تمام مدارس چندہ کی بھی اساس ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے رنگ پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور ان کے متوسلین نے قائم فرمائے، چنانچہ ان اصول ہشتگانہ پر حضرت اقدس نے سرخی بھی یہی قائم فرمائی کہ: "وہ اصول جن پر مدارس چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں۔"

یہی ہمہ گیر اصول قیام مدارس کی اس اجتماعی تحریک کی بنیاد بنے جس سے ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کو نئی زندگی اور نشاۃ ثانیہ ملی ان اصول کے مطابق حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند کو صرف عوامی چندوں پر قائم فرمایا تاکہ اس میں ابتداء ہی سے ہمہ گیری کا عنصر نمایاں رہے اور یہ دارالعلوم ہندوستان کے غریب عوام کا ادارہ ثابت ہو، ساتھ ہی اصول میں یہ ہدایت بھی ہے کہ اس مدرسہ کے لئے جائدادوں اور کارخانہ ہائے تجارت سے کسی مستقل آمدنی کا کوئی بندوبست نہ کیا جائے، ایسا کرنے پر امداد غیبی منقطع ہو جائے گی۔ رجوع الی اللہ کا سرمایہ ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ اور کارکنوں میں پھوٹ پڑ جائے گی جس کو ان کے مخلص رفیق کار حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ نے اپنی ایک طویل نظم کے بعض اشعار میں ان الفاظ ظاہر فرمایا ہے کہ:

اس کے بانی کی وصیت ہے کہ جب اس کیلئے
کوئی سرمایہ بھروسہ کا ذرا ہو جائے گا
پھر یہ قندیل معلق اور توکل کا چراغ
یوں سمجھ لینا کہ بے نور و ضیا ہو جائے گا

ان اصول میں خصوصیت سے اسے اہمیت دی گئی ہے۔ کہ تعلیم مکمل طریق پر آزاد رہے۔ جو اجتماعیت کی روح ہے۔ پھر اسی کے ساتھ اصولاً معاملات دارالعلوم کو مشورہ کے اصول پر قائم فرما کر اس کو اس عہد استبداد میں جمہوریت کا نقیب بنا دیا گیا اور خاص طور پر ذمہ دار ادارہ (مہتمم) کے لئے یہ ہدایت فرمائی کہ وہ علاوہ مقررہ اہل شوریٰ کے ایسے واردین، صادرین سے بھی مشورہ کرے جو مدارس

کے خیر خواہ اور ان سے دلچسپی رکھتے ہوں، یہ اصول حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دار العلوم کے ہمہ گیر اور اجتماعی فکر کے ناقابل انکار شواہد ہیں اور انہیں سے دار العلوم دیوبند کی نوعیت، اہمیت بھی واشگاف ہوجاتی ہے، انگریزوں کے قومی استبداد کو توڑنے کے لئے جسکا رخ خصوصیت سے مسلمانوں کیطرف تھا حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اپنی ہمہ گیر سیاسی رہنمائی سے اس دور کی خلافت اسلامیہ یعنی خلافت ترکی کی تائید کیطرف مسلمانوں کو خاص طور پر جھکایا، سلطان ترکی کی مدح میں قصیدے لکھے اور بحیثیت خلیفۃ المسلمین اور خادم الحرمین ہونے کے مسلمانوں کو ان کی طرف مائل کرتے رہے، اس دور میں جنگ روم و روس ہوئی تو خود بہ نفس نفیس جگہ جگہ دورے کرکے ترکوں کے لئے ہزاروں روپیہ روانہ فرمایا اور خود اپنے گھر باہر کا تقریباً بڑا اسامان بطور چندہ ترکی خلافت کی مدد کے لئے روانہ فرمادیا، تاکہ خلافت سے وابستہ رہکر ملی اجتماعیت برقرار اور شیرازہ بند رہے۔ اس جذبہ سے ملک کی دوسری قوموں کو بھی ہمدردی تھی اور اسی کا اثر تھا کہ جب مسلمانان ہند نے احیاء خلافت کی تحریک شروع کی تو بلا تفریق مذہب وملت ملک کی تمام مذہبی اکائیاں متفق، متحد ہوکر اس میں برابر کی شریک رہیں اس اجتماعیت پسندی کی وجہ سے مولانا مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ حج کی ترغیب دیتے تھے کہ بذات خود حج ایک اجتماعی اور بین الاقوامی عبادۃ ہے تاکہ مشرق و مغرب کے مسلمان یکجا جمع ہوکر باہم وابستہ ہوں اور ان کی بین الاقوامی اجتماعیت کا رشتہ مضبوط ہو اور ساتھ ہی ترکی خلافت سے بھی انہیں وابستگی رہے، یہ تفصیل فکر قاسمی کے ان تین بنیادی عناصر کو واشگاف کردینے کے لئے کافی ہے کہ ملت کا بقاء و ارتقاء تعلیم کی ہمہ گیری ذوق اجتماعیت کے عموم اور مرکزیت سے باعظمت وابستگی ہی میں مضمر ہے۔

آخر کار یہی روح ان کے تربیت یافتوں میں بھی راسخ ہوئی اور ان کے بعد ان کے شاگرد رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ اس قاسمی فکر کے امین بنے اور ان کے بعد حضرت کے خلف الرشید حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ اس کے عملی امین بنے۔ اور ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے حضرت شیخ الہندؒ نے ریشمی خط کی تحریک اٹھائی اور پانچ برس مالٹا میں انگریز کی قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں، ان کے بعد ان کے ہزارہا شاگردوں میں بھی رنگ جوہر نفس ہوتا رہا جن میں خصوصیت سے قابل ذکر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ، حضرت مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاری وغیرہم تھے جنہوں نے بالآخر ہندوستان کو آزاد کرایا اور انجام کار ان بزرگوں کا وہ وحدت عالم اسلام کا خواب اب تعبیر کے قریب ہوتا جارہا ہے۔ آخر عمر میں آپ نے بطور خاص اس تمنا کا اظہار فرمایا کہ

میرا دل چاہتا ہے کہ میں یورپ پہنچ کر بتلاؤں کہ حکمت وہ نہیں ہے جسے تم غلط فہمی سے حکمت سمجھ رہے ہو، بلکہ حکمت وہ ہے جس سے دنیا وعقبیٰ دونوں کے انکشافات تم پر عیاں ہو سکتے ہیں۔ مباحثہ شاہجہاں پور کا واقعہ وہ تاریخی موڑ ہے کہ اس میں حضرت نے ہندو مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی انگریزی سیاست کا رخ انگریزوں کیطرف موڑ دیا جس کا اعتراف اس دور کے ہندو زعماء نے یہ کہہ کر کیا کہ یہ مولوی ہے جس نے ہندوستان کی لاج رکھ لی، یہ روشن حقائق اس عظیم حقیقت کو طشت ازبام کرنے کے لئے کافی ہیں کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی شخصیت ایک عالمی اور تاریخ ساز شخصیت تھی اور ان کے شیخ ومرشد حضرت حاجی امداد اللہؒ کا یہ قول کہ "کئی صدی کے بعد اللہ نے مولانا محمد قاسم صاحب جیسی شخصیت پیدا فرمائی ہے" ان کی عظمت واہمیت کے باب میں بلاخوف تردید حرفِ آخر قرار دیا جا سکتا ہے۔

بقیہ : مولانا آزاد اور حدیث

قیامت کے طور پر ثابت ہے اس سے ختم نبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اگر حضرت عیسیٰؑ تکمیل دین کے سلسلے میں تشریف لاتے تو یہ عقیدہ ختم نبوت سے متصادم ہوتا۔

۴۔ حدیث رسولؐ حجت ہے، حدیث کو بالعموم رد کرنا، کنڈم کرنا، کتاب اللہ کی صریح ہدایت سے روگردانی کرنا ہے۔

رہا معاملہ بخاری کی حدیثوں کا، تو اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۱۳۴ پر لکھا ہے کہ صحیح بخاری، مسلم اور موطاء طبقۂ اولی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔

وانہ کل من یھون امرھما فھو مبتدع ـــــ الخ

جو شخص ان دونوں (بخاری ومسلم) حدیث کی کتابوں کا درجہ گراتا ہے۔ اور ان کی اہمیت کو کم کرتا ہے۔ وہ مبتدع ہے اور اجماع امت کا مخالف ہے۔

(متبع غیر سبیل المومنین)

جناب احسان بٹالوی

عرب ممالک کے تیل پر یورپ کی نگاہِ ہوس

مغربی معیشت مسلمانوں کے ہاتھ میں

تیل کی قیمتوں میں اضافہ سے تیل پیدا کرنے والے عرب ممالک کی دولت میں کافی اضافہ ہوا ہے ایک اندازہ کے مطابق اس سال کے آخر تک غیر ممالک میں عربوں کے سونے اور زرمبادلہ کے ذخائر ایک لاکھ ستر ہزار ملین ڈالر تک پہنچ جائیں گے۔ اور ۱۹۸۰ء تک غیر ملکی ریزرو کی صورت میں چار لاکھ ملین ڈالر تک پہنچ جائیں گے جبکہ چار سال پیشتر یہ صرف پانچ ہزار ملین ڈالر تھے۔ اس سال تیل کی قیمتوں میں اضافے کے باعث عربوں کو پچپن ہزار ملین ڈالر زائد ملیں گے۔ عام بینکوں کے علاوہ صرف سعودی عرب نے ۱۹۷۴ء کے پہلے آٹھ ماہ میں سات ہزار ملین ڈالر امریکی سیکورٹی بانڈ اور تین ہزار ملین ڈالر کے برطانوی سیکورٹی بانڈ خریدے۔ کل سرمائے کا بیس فیصد سٹرلنگ کی صورت میں ہے۔ عربوں نے عالمی بنک کو ۵۶۵ ملین ڈالر دیئے اور اگست ۱۹۷۴ء تک عالمی بنک کی رقوم کا ۳۱ فیصد عربوں سے مستعار شدہ تھا۔

اس سرمایہ کاری کے علاوہ عربوں کے اپنے ادارے بھی ہیں جن کے ہیڈ کوارٹر مغربی ممالک میں ہیں۔

(الف) یو۔ بی۔ اے۔ ای کی بنیاد ۱۹۷۰ء میں پیرس میں رکھی گئی۔ اس کا محفوظ سرمایہ ستّر کروڑ ڈالر ہے اور اسے ۲۴ عرب ممالک چلاتے ہیں۔

(ب) ایف۔ آر۔ اے۔ بی کویت کا ادارہ ہے جس کا سرمایہ ۱۸ کروڑ ڈالر ہے۔

(ج) یورپی عرب بنک بھی عربوں کی ملکیت ہے۔ جس کے سولہ عرب ممالک ممبر ہیں۔ اور اس کا صدر دفتر لکسمبرگ میں ہے۔

عربوں کا یہ سرمایہ اگر غیر ممالک ضبط کرنے یا قومی ملکیت میں لینے کی کوشش کریں بھی تو اس سے عربوں کو اتنا بڑا نقصان نہیں پہنچے گا جس سے ان کی معیشت یا سلطنت کی بنیادیں ہل جائیں۔ البتہ غیر ممالک

سے تیسری دنیا کے یہ ممالک اپنا سرمایہ نکال لیں تو مغربی ممالک کی معیشت کسی صورت میں بھی سنبھل نہیں سکے گی۔ عربوں کے لئے یہ سنہری موقع ہے کہ وہ آہستہ آہستہ غیر ممالک سے اپنا سرمایہ اپنے ملکوں کی تیسری دنیا کے مسلم بنکوں میں جمع کرواتے جائیں۔ جہاں تک گندم کی بہم رسانی اور امریکہ کی بلیک میلنگ کا خطرہ ہے تو اسے یہ عرب ممالک چند دن میں سیدھا کر سکتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ اگر عرب ممالک صرف چند دن کے لئے بھی تیل مکمل طور پر بند کر دیں تو مغربی ممالک کی معیشت کی بنیادیں نہ صرف ہل جائیں گی بلکہ ان کی معاشی عمارت بھی دھڑام سے نیچے آگرے گی، یہاں ان واقعات کا ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو عربوں کی چند روزہ تیل کی بندش سے ظہور پذیر ہوئے۔ ان دنوں امریکہ میں کرسلر میں ۳۳ ہزار مزدور ہفتے میں صرف تین دن کام کرتے رہے۔ فورڈ کمپنی کو اپنے ۲ ہزار مزدور برطرف کرنے پڑے۔ جنرل موٹرز نے ایک ہفتے کے لئے اپنے پلانٹ بند کر دیئے جس سے ایک لاکھ ۵ ہزار کارکن بیکار ہو گئے، فضائی سروس کم ہونے سے ڈیڑھ لاکھ آدمی متاثر ہوئے۔ آئندہ سال کے لئے ۱۵ فیصد پیداوار کم ہوگی۔ اور خطرہ ہے کہ ۱۰ لاکھ آدمی بے کار ہوں گے۔ صرف برف پر پھسلنے کی تفریح گاہوں سے بیس کھرب ڈالر کا کاروبار اور ساڑھے سات لاکھ آدمی متاثر ہوئے۔ جاپان کی پیداوار میں ۳۰ فیصد کمی واقع ہوئی۔ فلپائن میں پرائیویٹ کاروں کا استعمال ممنوع قرار دے دیا گیا۔ ہالینڈ میں چالیس ہزار آدمی بے کار ہو گئے جس سے ہالینڈ کی آمدنی میں ساٹھ کروڑ ڈالر کی کمی واقع ہوگی۔

یہ سب کچھ صرف ایک معمولی عرصہ کی بندش اور اس کے بعد تیل کی سپلائی میں بہت تھوڑی سی کمی پر ہوا۔

معاشیات کا ایک عام اصول ہے کہ کسی ملک میں گردش میں روپے یا سرمایہ کاری میں سے ۲۵ فیصد ایک دم نکال لیا جائے تو اس کی تباہی میں کوئی کسر نہیں رہ جاتی۔ اگرچہ عربوں کے روپے کی مقدار ۲۵ فیصد فیصد تک نہیں پہنچی ہے تاہم یہ اعداد و شمار اگر درست تسلیم کر لئے جائیں تو مغربی ممالک کی معیشت سنبھل نہیں سکے گی۔ اور اگر عربوں کا روپیہ مغربی ممالک ضبط بھی کر لیں تو یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ عربوں پر اس کا اثر اتنا برا نہیں پڑے گا، جتنا کہ خود مغربی ممالک پر کیونکہ عربوں کے پاس تیل کا اتنا مضبوط اور زود اثر ہتھیار ہے کہ وہ صرف چند دنوں میں کسی بھی مغربی ملک کی معیشت کی بنیادیں ہلا کر رکھ سکتے ہیں۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق ۱۹۸۰ء میں صرف امریکہ کو ایک کروڑ بیس لاکھ بیرل تیل روزانہ کی ضرورت ہوگی، جس میں سے اسی لاکھ بیرل عربوں سے حاصل کیا جائے گا۔ صرف اسی سے ان کی ضروریات کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اب فوری طور پر عربوں کو جو اقدامات کرنے چاہئیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ مغربی ممالک خاص طور پر امریکہ سے برابری کی بنیاد پر بات کرتے ہوئے اپنے لئے مستقل طور پر غذائی ضروریات کی فراہمی کا انتظام کیا جائے۔

۲۔ مغربی ممالک میں موجود اپنے سرمایہ سے زرعی مشینری اور کھاد وغیرہ سے کر ایشیائی اور دوسرے ایسے افریقی ممالک کو دیں جن میں زرعی ترقی اور زرعی مشینری کی ضرورت اور گنجائش ہے اور اس کے عوض میں ان سے اپنی غذائی ضروریات کے مطابق زرعی اجناس حاصل کرنے کا معاہدہ کریں۔

۳۔ اگر امریکہ یا دوسرے ممالک گندم کو بطور ہتھیار استعمال کرنے کی کوشش کریں تو ان کی تمام کمپنیاں اور تیل میں حصص کو قومیا لیا جائے اور اس کے ساتھ ہی یہ واضح کر دیا جائے کہ اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آئے تو اگلا قدم تیل کی مکمل بندش ہوگا۔

۴۔ اس وقت مغربی ممالک تیل کا بدل تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور گیس یا ایٹم کو اس کا بدل بنانے میں کامیاب بھی ہو چکے ہیں، عربوں کو چاہئے کہ وہ اپنے ممالک کو صنعتی ترقی کی دوڑ میں اس قدر آگے لے جائیں کہ وہ برآمد کنندگان میں شامل ہو سکیں۔

تیل کمپنیوں میں غیر ملکی حصص ۱۰۰۰ میٹرک ٹن

نام ملک	برطانوی حصص	امریکی حصص	دوسرے غیر ملکی حصے
۱۔ ایران	۹۴۲۳۰	۷۶۱۴۰	۲۰۷۶۰
۲۔ سعودی عرب	-	۱۷۶۹۴۰	-
۳۔ کویت	۶۸۷۳۰	۶۸۷۳۰	-
۴۔ عراق	۲۸۵۴۰	۱۴۱۰۰	۲۰۹۹۰
۵۔ ابوظہبی	۱۸۳۸۰	۴۸۶۵	۱۰۲۱۵
۶۔ قطر	۱۰۸۰۰	۲۱۳۵	۴۲۱۵
۷۔ عمان	۱۴۰۶۰	-	۲۴۸۰
۸۔ متحدہ عرب جمہوریہ	-	۶۳۵۰	۱۴۴۰۰
۹۔ بحرین	-	۳۸۲۰	-
۱۰۔ ترکی	۱۹۶۰	۴۹۰	۱۰۳۰
۱۱۔ شام	-	-	۴۲۸۰
۱۲۔ دبئی	-	۲۱۴۵	۲۱۴۵

یہ تو تھے امریکی اور دوسرے مغربی ممالک کے مفادات جن کا تحفظ انہوں نے ہر صورت میں کرنا ہے۔ لہذا وہ عربوں کے اس اقدام کو ہرگز ہرگز آسانی سے برداشت نہیں کریں گے۔ اور ہو سکتا ہے کہ انتقامی کارروائی کے طور پر وہ عربوں کے غیر ملکی بینکوں میں محفوظ سرمائے کو ضبط کرنے کا اعلان بھی کر سکتے ہیں ——

ذیل میں عربوں کی آمدنی اور غیر ملکی بینکوں میں ان کے سرمائے کے اعداد و شمار دئے گئے ہیں:

عبداللہ الطریقی کے نزدیک آمدنی کے اعداد و شمار ذیل میں درج ہیں :-

نام ملک	۱۹۷۲ء آمدنی	۱۹۸۰ء میں متوقع آمدنی
۱۔ سعودی عرب	۴ کھرب ۷۰ ارب ڈالر	۲۵۰ کھرب ڈالر
۲۔ کویت	۱۰ کھرب ۹۰ ارب ڈالر	۸ کھرب ڈالر
۳۔ ابوظہبی	۸ کھرب ۵۰ ارب ڈالر	۷۰ کھرب ڈالر
۴۔ قطر	۲ کھرب ۵۰ ارب ڈالر	۲۵ کھرب ڈالر
۵۔ لیبیا	۲۱ کھرب "	۵۰ کھرب ڈالر

لندن کے اکانومسٹ کے مطابق غیر ملکی بنکوں میں عربوں کا محفوظ سرمایہ :

نام ملک	۱۹۷۲ء آمدنی	۱۹۸۰ء میں متوقع آمدنی
۱۔ سعودی عرب	۵۰ کھرب ڈالر	۷۵۰ کھرب ڈالر
۲۔ کویت	۲۵ " "	۱۰۰ " "
۳۔ ابوظہبی	۲۰۷ " "	۸۰ " "
۴۔ قطر	۲۰۶ " "	۲۵ " "

محمد اقبال قریشی۔ ہارون آبادی

مشاجرات صحابہؓ

ــــــــــ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری کی ایک عجیب تحقیق

آپ (حضرت رائے پوریؒ) دائم الفکر اور دائم السکوت تھے کہ بلاضرورت بولنا ہی نہ جانتے تھے مگر جب امر بالمعروف کا وقت آتا تو آپ کی عالمانہ تقریر ایسی نرالی طرز پہ ہوتی تھی کہ دلوں میں بیٹھتی اور آہن کو موم بناتی۔ ایک مرتبہ بعد عصر حسب معمول آپ صحن باغ میں چارپائی پہ بیٹھے ہوئے تھے اور چاروں طرف مونڈھوں پر خدام و حاضرین کا ایک کثیر مجمع چاند کا ہالہ بنائے بیٹھا تھا۔ کہ راؤ مراد علی خاں صاحب نے حضرات صحابہؓ کی باہمی جنگ و رنجش کا تذکرہ شروع کیا اور اس پہ رائے زنی ہونے لگی کہ فلاں نے یہ غلطی کی فلاں کو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا۔ یہاں تک نوبت پہنچی تو دفعتہً حضرتؒ کو جوش آیا اور مہر سکوت ٹوٹ گئی کہ جھرجھری سے کر حضرتؒ سنبھل بیٹھے اور فرمایا راؤ صاحب ایک مختصر سی بات میری بھی سن لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مخلوقات کو قیامت تک پیش آنے والی تمام ضروریات دین و دنیا سے باخبر کرنے کیلئے تشریف لائے۔ اور ظاہر ہے کہ وقت اتنی بڑی تعلیم کیلئے آپ کو بہت تھوڑا دیا گیا تھا۔ اس تعلیم کی تکمیل کیلئے ہر قسم کے حوادث و واقعات پیش آنے کی ضرورت تھی۔ کہ ان پر حکم اور عمل مرتب ہو اور دنیا سیکھے کہ فلاں واقعہ میں یوں ہونا چاہیئے۔ پس اصول کے درجوں میں کوئی واقعہ ایسا نہ تھا جو حضرت روحی فداہ کے زمانہ میں حادث نہ ہو چکا ہو۔ اب واقعات کے حکم میں ایک وہ واقعات ہیں جو منصب نبوت کے خلاف نہیں دوسرے وہ واقعات جو عظمت شان نبوت کے خلاف ہیں۔ تو جو واقعات منصب نبوت کے خلاف نہ تھے۔ وہ تو خود حضرتؐ پہ پیش آئے مثلاً تزوج و اولاد کا پیدا ہونا، ان کا دفنانا کفنانا وغیرہ تمام خوشی و غمی کے واقعات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے اور دنیا کو یہ عملاً سبق مل گیا کہ کسی عزیز وغیرہ کے مرنے پر ہم کو فلاں فلاں کام کرنا مناسب ہے۔ اور کسی کی ولادت و ختنہ و نکاح وغیرہ خوشی کے موقع پر یہ بات جائز ہے۔ اور یہ

خلاف سنّت ۔ مگر وہ واقعات جو رسولؐ پر پیش آئیں تو عظمت رسالت کا خلاف ہو اور نہ پیش آئیں تو تعلیم محمدیؐ ناتمام رہے ۔ مثلاً زنا چوری وغیرہ ہو تو یہ حدّ و تعزیر ہونا چاہیئے ۔ اور باہم جنگ و جدال و قتال یا نفسانی اغراض پر دنیوی امور میں نزاع و رنجش ہو تو اسطرح اصلاح ہونی چاہیئے ۔ یہ امور ذات محمدیؐ پر پیش آنا کسی طرح مناسب نہ تھے اور ضرورت تھی پیش آنے کی (تاکہ نمونہ اور حکم معلوم ہو) تو حضرات صحابہؓ نے اپنے نفوس کو پیش کیا کہ ہم خدام و غلام آخر کس مصرف کے ہیں جو امور حضرتؐ کی شان کے خلاف ہیں وہ ہم پر پیش آئیں اور حکم و نتیجہ مرتب ہو تاکہ دین کی تکمیل ہو جائے ۔ چنانچہ یہ واقعات ان حضرات پر پیش آئے جو آئندہ قیامت تک آنے والی مخلوق کیلئے رشد و ہدایت بنا اور دنیا کے ہر برے بھلے کو معلوم ہوگیا کہ فلاں میں یہ کرنا اور اسطرح کرنا مناسب ہے اور یہ کرنا اور اس طرح کرنا نامناسب ہے اور یہ کرنا اور اس طرح کرنا نامناسب ۔ پس ہو تو کوئی ایسا باہمت جو تکمیل دین محمدیؐ کی خاطر ہر ذلت کو عزت اور ہر عیب کو ہنر سمجھ کر نشانہ ملامت بننے پر فخر کرے اور بزبان حال یہ کہے ۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

شہرت و نیک نامی اور عزت و نام آوری سب چاہا کرتے ہیں مگر اس کا مزہ کسی محبوب سے پوچھو کہ جاں نثاری میں کیا لطف ہے اور کوچہ معشوق کی ننگ و دفا میں کیا مزہ ہے ۔ سچے عشاق تو اس طرح تمہاری اصلاح و تعلیم کی خاطر اپنی عزت و آبرو فنا کریں اور ہم ان کے منصف بن کر تیرہ سو برس بعد ان کے مقدمات کا فیصلہ دیں اور ان پر نکتہ چینی کر کے اپنی عاقبت گندی کریں اگر ہم ان جواہرات سفینہ کے قدر دان نہیں بن سکتے تو کم از کم بدزبانی اور گستاخی وغیرہ سے اپنا منہ بند رکھیں اللہ اللہ فی اَصْحَابِی لَا تَتَّخِذُوْھُمْ مِّنْ بَعْدِیْ غَرَضاً ۔ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور میرے بعد ان کو نشانۂ ملامت نہ بناؤ) دیر تک آپ نے یہ تقریر فرمائی کہ دہن مبارک سے پھول جھڑتے اور سامعین کے مشام جان میں جگہ پڑتے ۔

(تذکرہ الخلیل بقلم حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ)

مولانا اخلاق حسین قاسمی

حجیت حدیث اور عقیدۂ ختم نبوت

مولانا ابوالکلام آزاد اور نزول مسیح کی حدیث

"افکار آزاد" کے نام سے مولانا محمد عثمان فارقلیط کے پیش لفظ کے ساتھ مولانا آزاد کے مضامین کا ایک مجموعہ لاہور سے شائع ہوا تھا، فارقلیط صاحب کے پیش لفظ میں ۱۴ر نومبر ۱۹۴۵ء کی تاریخ درج ہے۔ فارقلیط صاحب نے پیش لفظ میں لکھا ہے۔ " جلالۃ الامام کی مستقیم اور ہموار زندگی اور فوق البشر کمالات آفتاب کی مانند روشن اور معروف سچائیوں کی طرح تابناک ہیں۔" آگے لکھتے ہیں: "مضامین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طویل و بسیط تحریرات کا خلاصہ اور عطر ہیں اور ان میں حقائق کی ایک وسیع کائنات بسی ہوئی نظر آتی ہے" ان حقائق و معارف سے لبریز مضامین میں صفحہ ۱۰۱ پر احادیث اور مسئلہ ظہور مسیح کے عنوان میں مولانا آزاد لکھتے ہیں۔ " بلاشبہ روایات میں نزول مسیح علیہ السلام کی خبر دی گئی ہے اور صحیحین کی روایات اس باب میں معلوم و مشہور ہیں، اس سے کسے انکار ہے لیکن اس معاملہ کا تعلق قیامت کے آثار و مقدمات سے ہے نہ کہ تکمیل دین کے معاملہ سے ہے" آگے لکھتے ہیں: " آپ پوچھتے ہیں کہ احادیث کے بارے میں میرا کیا عقیدہ ہے۔؟ یہ سوال آپ اس شخص سے کر رہے ہیں جو اپنی تحریرات میں نہ صرف حدیث کو حجت اور واجب العمل ثابت کر چکا ہے بلکہ جس کو اس فہم کی توفیق ملی ہے کہ " حکمت " سے مراد سنت ہے۔ اور جس نے جابجا مقدام رضؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ ۔۔۔ الا وانی اوتیت الکتاب ومثلہ معہ ۔۔۔ نیز روایت مشہورہ ۔۔۔ یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ۔ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔۔۔ خبردار! مجھے کتاب دی گئی اور اس جیسی ایک (ہدایت) اس کے ساتھ دی گئی۔

دوسری حدیث میں فرمایا ۔۔۔ ایک وقت (گمراہی کا) آئے گا کہ ایک شخص خوشحالی میں گاؤ تکیے سے سہارا لگا کر یہ کہے گا کہ لوگو! تم صرف قرآن پر چلو، اس میں جو چیز حلال پاؤ اسے حلال جانو اور جو چیز حرام ملے اسے حرام جانو (افکار آزاد ص ۱۲۱)

مولانا آزاد نے اس مختصر جواب میں دونوں مسئلوں کو صاف کر دیا ہے۔ ۱۔ نزول مسیح کا مسئلہ آثار

(باقی ص ۷۶ پر)

حضرت مولانا محمد یوسف لودیانوی
مجلس تحفظ ختم نبوت۔ ملتان
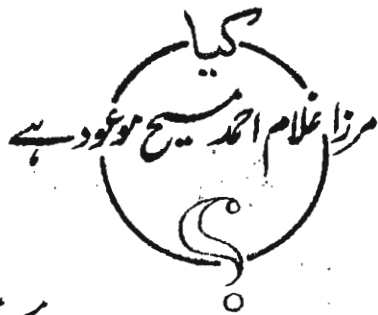
مسئلہ جہاد کی روشنی میں اس کا فیصلہ

مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی امت کے بارے میں ہر خاص و عام جانتا ہے کہ وہ جہاد کے منکر ہیں، کیونکہ مرزا صاحب کی زندگی کا بیشتر حصہ صرف اس "مقدس مشن" پر صرف ہوا کہ جہاد کے جذبات مسلمانوں کے دل سے نکال دئیے جائیں اور انہیں برٹش راج کے جابرانہ تسلط کے سامنے مکمل سپردگی اور ابدی غلامی کا درس دیا جائے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گذرا ہے۔ اور میں نے جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں، اور میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روائتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں، ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔" [۱]

"منسوخ جہاد" کا فتویٰ ایک ایسی چیز تھی جس کے نتیجہ میں مرزائیت سے مسلمانوں کی بیزاری و تنفر میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔ منیر رپورٹ کے فاضل مرتبین لکھتے ہیں:

"عقیدۂ ختم نبوت، عیسیٰ بن مریم کا روز قیامت سے پہلے بجسد عنصری دوبارہ آنا اور مسئلہ جہاد۔ ان تینوں مسائل کے متعلق اختلافات ایسے تھے کہ علماء کی طرف سے

---

[۱] تریاق القلوب۔ ص ۱۵

احتجاج اور مرزا صاحب کے خلاف کفر کے فتووں کا اجرأ بالکل طبعی امر تھا ــــ لہذا ۱۸۸۲ء میں جونہی مرزا صاحب نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا، ان کے خلاف کفر کے فتوے دئیے جانے لگے ــــ اس (مرزائی) تحریک میں جہاں بعض ذی علم اور ذی اثر حضرات مثلاً مولانا محمد علی، خواجہ کمال الدین، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ اور ڈاکٹر محمد حسین[1] کشاں کشاں شامل ہو گئے۔ وہاں دوسرے لوگ غضبناک بھی ہوتے جو اس تحریک کو اصلاً سیاسی تحریک اور مسلمان ممالک واقوام کے لئے باعث خطرہ سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے اس کی شدید مذمت کی اور پروفیسر الیاس برنی نے اس کو استہزا کا نشانہ بنایا" [2]

انگریزی اقتدار کی بے جا خوشامد تملق قادیانی تحریک کیلئے بے حد ذلت و رسوائی اور بدنامی کا نشان بنا ہوا تھا۔ مرزا صاحب کی جانب سے انگریز بہادر کی مدح وستائش اور حرمت جہاد کے طومار پڑھ کر خود ان کے عقیدتمندوں کو شرم آجاتی تھی۔ مرزا محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا بیان ہے کہ:۔

"حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) نے فخریہ لکھا ہے کہ "میری کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں میں نے گورنمنٹ کی تائید نہ کی ہو۔" مگر مجھے (مرزا محمود احمد صاحب کو) افسوس ہے کہ میں نے غیروں سے نہیں بلکہ احمدیوں کو کہتے سنا ہے کہ ہمیں حضرت مسیح موعود کی ایسی تحریریں پڑھ کر شرم آجاتی ہے۔" [3]

لیکن انگریز کے دجالی اقتدار کے سائے میں مرزا صاحب کے لئے یہ "بدنامی" لائق صد فخر تھی۔ کیونکہ:۔

الف:۔ ان کی نبوت ومسیحیت انگریزی اقتدار کا خود کاشتہ پودا تھی۔

ب:۔ انگریزی اقتدار اور مرزائی مسیحیت ایک دوسرے کے وفادار حلیف تھے۔

ج:۔ دونوں کے مفادات ایک دوسرے سے وابستہ تھے۔

د:۔ اقتدار، مرزائی مسیحیت کا مضبوط قلعہ تھا ــــ اور

ہ:۔ مسیحیت، اقتدار کے لئے تعویذ اور حرز امان تھی۔

و:۔ اقتدار، مسیحیت کے لئے ظل الہٰی اور اولوالامر تھا ــــ اور

---

[1] قادیانی اصطلاح میں یہ حضرات منافق تھے۔ [2] تحقیقاتی رپورٹ برائے فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء (اردو ترجمہ) ص ۲۸۷ [3] الفضل ۷ر جولائی ۱۹۳۲ء

ز ،۔ مسیحیت، دربار اقتدار میں مسلمان باغیوں کی مخبری کیا کرتی تھی۔

ح ،۔ اقتدار، مسیحیت کا پاسبان و نگہبان تھا —— اور

ی ،۔ مسیحیت، دجالی اقتدار کے دوام و بقاء کے لئے دعا گو تھی۔

ان دنوں مرزا صاحب کے حرمت جہاد کے فتویٰ پر جس قدر احتجاج کیا جاتا، انہیں اسی قدر مسرت ہوتی کہ "انگریز پرستی" کی سند مہیا ہو رہی ہے۔ اور وہ اس "شہادت" کو لیلائے اقتدار کے سامنے پیش کر کے کہہ سکتے ہیں ؎

بجرم عشق توام مے کشند و غوغائیست ۔۔۔ تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

انہیں ملت اسلامیہ سے غداری کا الزام دیا جاتا تو کہتے ؎

گرچہ بدنامی است پیش عاقلاں ۔۔۔ مانمی خواہیم ننگ و نام را

الغرض مرزا صاحب اپنے "ظلِ الٰہی" پر اپنا سب کچھ قربان کر چکے تھے، اور اس کے تا ابد قائم رہنے کے لئے کوشاں تھے، ان کا خیال تھا کہ برطانوی اقتدار کا سایہ غلام ہند پر ہمیشہ رہے گا۔[1] اور اس آفتاب کو کبھی زوال نہیں ہوگا۔ لیکن جب ۱۹۴۷ء میں قادیانی اولوالامر نے رخت سفر باندھا تو قادیانی عقائد کا سارا ملمع اتر گیا۔ اور قادیانی اکابر کو مرزا صاحب کے متوحش عقائد میں اصلاح و ترمیم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کی ایک مثال مسئلہ جہاد ہے۔ مرزا صاحب ساری عمر فتویٰ دیتے رہے کہ "جہاد منسوخ ہو گیا، کیونکہ مسیح آچکا" لیکن جب ۱۹۵۴ء کی تحقیقاتی عدالت نے مرزا بشیر الدین صاحب خلیفہ ربوہ سے سوال کیا: "کیا اس مفہوم کی کوئی حدیث ہے کہ مسیح، جہاد یا جزیہ کے متعلق قانون کو منسوخ کر دے گا۔؟" تو خلیفہ صاحب نے جواب دیا:

"ایک حدیث جزیہ کے متعلق ہے اور دوسری حرب کے متعلق۔ ہم جزیہ کے متعلق حدیث کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور دوسری کو اس کی وضاحت سمجھتے ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ جو الفاظ یعنی یضع حدیث میں استعمال ہوئے ہیں۔ ان کے معنیٰ منسوخ کرنے کے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس لفظ کے معنیٰ التواء کے ہیں۔"[2]

---

[1] مرزا صاحب کا ایک شعر ہے ؎

تاج و تخت ہند قیصر کو مبارک ہو مدام ۔۔۔ جسکی شاہی میں میں پاتا ہوں فلاح روزگار

[2] "تحقیقاتی عدالت میں حضرت امام جماعت احمدیہ کا بیان" ص۳ شائع کردہ: دار التجلید اردو بازار، لاہور۔ (دو تین)

خلیفہ صاحب کا منشاء یہ تھا کہ ان کے والدِ محترم مرزا غلام احمد کا فتویٰ " التوائے جہاد " کا تھا حرمتِ جہاد کا نہیں تھا۔ اس کی مزید تشریح ۲۷ برس بعد مولوی اللہ دتا جالندھری نے گذشتہ سالانہ جلسہ ربوہ میں اس طرح فرمائی ہے :

"حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد) کے زمانہ میں چونکہ مذہبی آزادی تھی ، ملک میں امن وامان قائم تھا، اس لئے تمام مسلمان فرقے اور مذہبی وسیاسی راہنما انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کرنے کے خلاف تھے ، سب کے نزدیک اس وقت جہاد کی شرائط موجود نہیں تھیں ، یہی موقف حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد) کا تھا کہ جب تک شرعی شرائط متحقق نہ ہوں ۔ جہاد بالسیف جائز نہیں ۔ جماعت احمدیہ (مرزائیوں) کے نزدیک جہاد کے التواء کا حکم وقتی اور عارضی ہے ، جب کبھی دشمنانِ دین تشدد اور قوت سے کام لیں گے ۔ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے برسرِ پیکار ہوں گے قرآن و حدیث کی عائد کردہ شرائط کے ماتحت پھر جہاد بالسیف ضروری ہوگا " [1]

خلیفہ صاحب اور مولوی اللہ دتا جالندھری صاحب کی اس تشریح سے واضح ہوگیا کہ مرزا صاحب کی جانب سے جہاد کے منسوخ اور قطعی حرام ہونے کا فتویٰ محض سیاسی مصلحت کی پیداوار تھا ۔ ورنہ " جہاد حسب موقعہ اب بھی جاری ہے ۔ صد شکر کہ قادیانی لیڈروں کو ستر نوے سال بعد مرزا صاحب کے پھیلائے ہوئے غلط عقیدہ کی اصلاح کی توفیق ہوئی —— لیکن ابھی ایک اشکال باقی ہے ۔ امید رکھنی چاہیئے ، کہ قادیانی مفکر اس کی جانب بھی فوری توجہ فرمائیں گے ۔

اشکال یہ ہے کہ مرزا صاحب نے جہاد کے منسوخ ، موقوف اور آئندہ کے قطعی حرام ہونے کی بنیاد اس نکتہ پر رکھی تھی کہ وہ " مسیح موعود " ہیں ۔ اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں جہاد منسوخ ہو جائے گا ، دینی لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا ۔ اور آئندہ دین کے لئے تلوار اٹھانا حرام ہوگا —— اب اگر جہاد واقعۃً بند نہیں ہوا تو مرزا صاحب مسیح موعود کیسے ہوئے ——؟ مرزا صاحب نے تو جہاد کے منسوخ ہونے کا اعلان اس بنیاد پر کیا تھا کہ وہ بزعم خود مسیح موعود ہیں ، اس سلسلہ میں ان کی تصریحات ملاحظہ فرمایئے ، ایک جگہ لکھتے ہیں :

" صحیح بخاری میں مسیح موعود کی شان میں صاف حدیث موجود ہے ۔ کہ یضع الحرب

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۷۴ء

یعنی مسیح موعود لڑائی نہیں کریگا، تو پھر کیسے تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف تو آپ لوگ اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ صحیح بخاری، قرآن شریف کے بعد اصح الکتب ہے اور دوسری طرف صحیح بخاری کے مقابل پر ایسی حدیثوں پر عقیدہ کر بیٹھتے ہیں کہ جو صحیح بخاری کی حدیث کے منافی پڑی ہیں۔" [1]

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے۔ تو کافر ان کے دم سے ہلاک ہوں گے اور حدِ نظر تک ان کا دم عیسوی اثر کرے گا، مرزا غلام احمد صاحب اس حدیث کو اپنی ذات پر چسپاں کرنے کیلئے اس کی تاویل و توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اس حدیث سے بھی ثابت ہے کہ مسیح کے وقت میں جہاد کا حکم منسوخ کر دیا جائے گا۔ جیساکہ صحیح بخاری میں بھی مسیح موعود کی صفات میں لکھا ہے ، کہ یضع الحرب یعنی مسیح موعود جب آئے گا۔ تو جنگ اور جہاد کو موقوف کر دے گا۔" [2]

اشتہار چندہ منارۃ المسیح میں لکھتے ہیں :

"تیسرے وہ گھنٹہ جو اس منارہ کے کسی حصہ دیوار میں نصب کرایا جائے گا اس کے نیچے یہ حقیقت مخفی ہے تاکہ لوگ اپنے وقت کو پہچان لیں، یعنی سمجھ لیں کہ آسمان کے دروازوں کے کھلنے کا وقت آگیا۔ اب سے زمینی جہاد بند کئے گئے اور لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ جیساکہ حدیثوں میں پہلے ہی لکھا تھا کہ جب مسیح آئے گا تو دین کے لئے لڑنا حرام کیا جائے گا۔ سو آج سے دین کیلئے لڑنا حرام کیا گیا۔ اس کے بعد جو دین کے لئے تلوار اٹھاتا ہے۔ اور غازی نام رکھ کر کافروں کو قتل کرتا ہے وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔ صحیح بخاری کو کھولو اور اس حدیث کو پڑھو کہ جو مسیح موعود کے حق میں ہے۔ یعنی یضع الحرب جس کے یہ معنیٰ ہیں کہ جب آئیگا، تو جہادی لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سو مسیح آچکا، اور یہی ہے جو تم سے

---

[1] تریاق القلوب ص۱۷ مصنّفہ مرزا غلام احمد صاحب۔ [2] تجلیات الٰہیہ ص۸ مصنّفہ مرزا غلام احمد صاحب۔ [3] یہاں یہ تنبیہہ کر دینا ضروری ہے کہ اسلام میں "مسیح موعود" کی کوئی اصطلاح رائج نہیں۔۔۔ قرآن و حدیث کی واضح تصریح کے مطابق امتِ اسلامیہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قربِ قیامت میں ان کا نزول ہوگا۔ مگر مرزا صاحب "عیسیٰ بن مریم" کے لفظ سے کتراتے ہیں، اسلئے انہوں نے "مسیح موعود" کی غیر اسلامی اصطلاح ایجاد کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی علامات امتیازات پر جسپاں کرنے کے لیئے تاویل و تحریف کا ایک طومار تیار کر ڈالا۔

بول رہا ہے۔" ؎۱

اسی اشتہار میں دوسری جگہ جلی قلم سے لکھتے ہیں :

"آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا۔ خدا کے حکم سے بند کیا گیا، اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اٹھاتا ہے اور اپنا نام غازی رکھتا ہے وہ اس رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے، جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرما دیا ہے۔ کہ مسیح موعود کے آنے پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے، سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں، ہماری طرف سے امان اور صلحکاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا ہے؎۲ خدا تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے کی ایک راہ نہیں، پس جس راہ پر نادان لوگ اعتراض کر چکے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نہیں چاہتی کہ اسی راہ کو پھر اختیار کیا جائے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے۔ کہ جیسے جن نشانوں کی پہلے تکذیب ہو چکی وہ ہمارے سید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دئے گئے، لہٰذا مسیح موعود اپنی فوج کو اس ممنوع مقام سے پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیتا ہے۔" ؎۳

اربعین ۴ میں "نصائح" کے زیرِ عنوان مرزا صاحب جلال و جمال کا دقیق فلسفہ پیش کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ تورات کی آتشی شریعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جلالی نام محمد تھا۔ اور انجیل کی جمالی تعلیم میں آپؐ کا جمالی نام احمد تھا۔ آپؐ کی مکی زندگی جمالی تھی اور مدنی زندگی جلالی۔ اور

"پھر یہ دونوں صفتیں امت کے لئے اس طرح پر تقسیم کی گئیں کہ صحابہؓ کو جلالی رنگ کی زندگی عطا ہوئی اور ——— جمالی رنگ کی زندگی کے لئے مسیح موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر ٹھہرایا، یہی وجہ ہے کہ اس کے حق میں فرمایا گیا کہ: "یضع الحرب" یعنی لڑائی نہیں کریگا، اور یہ خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں وعدہ تھا کہ اس حصے کے پورا کرنے کے لئے مسیح موعود اور اسکی جماعت کو ظاہر کیا جائیگا، جیساکہ آیت وآخرین منھم لما یلحقوا بھم میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ اور آیت تضع الحرب اوزارھا بھی اشارہ کر رہی ہے۔" ؎۴

؎۱ ضمیمہ خطبہ الہامیہ ص۱۰ طبع جدید ربوہ ؎۲ سفید جھنڈا دشمن سے پناہ لینے اور اس کے آگے ہتھیار ڈال دینے کے لئے بلند کیا جاتا ہے۔ ؎۳ ضمیمہ خطبہ الہامیہ ص۲۸ طبع جدید ربوہ۔

؎۴ اربعین ۴ ص۱۵

آگے چل کر وہ مزید تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مکی و مدنی زندگی میں جمالی عیسوی اور جلالی موسوی کے دونوں نمونے ظاہر کر دیئے۔ اور پھر آپؐ نے اپنے روحانی وارثوں میں سے جلالی نمونہ دکھانے کیلئے صحابہؓ کو مقرر کیا، کیونکہ اس وقت اسلام کی مظلومیت کے لئے یہی علاج قرین مصلحت تھا ——— پھر۔

"پھر جب وہ زمانہ جاتا رہا، اور کوئی شخص زمین پر ایسا نہ رہا کہ مذہب کے لئے اسلام پر جبر کرے اس لئے خدا نے جلالی رنگ کو منسوخ کر کے اسم احمد کا نمونہ ظاہر کرنا چاہا، یعنی جمالی رنگ دکھلانا چاہا۔ سو اس نے قدیم وعدہ کے موافق اپنے مسیح موعود کو پیدا کیا جو عیسیٰ کا اوتار اور احمدی رنگ میں ہو کر جمالی اخلاق کو ظاہر کرنے والا ہے۔ اور خدا نے تمہیں (مرزائیوں کو) عیسیٰ احمد صفت کے لئے بطور اعضاء کے بنایا، سو اب وقت ہے کہ اپنی اخلاقی قوتوں کا حسن اور جمال دکھلاؤ۔" [1]

اسی اربعین میں مرزا صاحب حدیث یضع الحرب کی تشریح کے ضمن میں حضرت موسیٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خود اپنے زمانے کا تدریجی فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ کم کرتا گیا۔ حضرت موسیٰ کے وقت میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان لانا بھی قتل سے نہیں بچا سکتا تھا۔ اور شیر خوار بچے بھی قتل کئے جاتے تھے ——— پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بچوں اور بڈھوں اور عورتوں کا قتل کرنا حرام کیا گیا اور پھر بعض قوموں کے لئے بجائے ایمان کے صرف جزیہ دیکر مؤاخذہ سے نجات پانا قبول کیا گیا ——— اور پھر مسیح موعود کے وقت میں قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔" [2]

جشن تاج پوشی ہمارے شہنشاہ عالی جاہ ایڈورڈ قیصر [3] کے موقعہ پر مرزا صاحب نے جہاد کے قطعی استیصال کے لئے ایک تجویز پیش [4] کی تھی اس میں اور بہت سی باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا:

"سورۃ فاتحہ اور سورۃ نور اور کئی اور سورتوں میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کے نبیوں کا سلسلہ آخر کو ایک ایسے نبی پر ختم ہوا جس نے تلوار نہیں اٹھائی اور نہ جہاد کیا

---

[1] اربعین ۴ ص ۱۷، ۱۸ [2] اربعین ۴ ص ۱۵ حاشیہ

[3] [4] یہ مرزا صاحب کے الفاظ ہیں۔

اور محض اخلاقی تعلیم کی قوت سے دلوں کو اپنی طرف کھینچا، ایسا ہی محمدی سلسلہ میں جب وہی زمانہ آئے گا، یعنی جبکہ ہجرت سے چودھویں صدی آئے گی جو اس زمانہ سے بہت مشابہ ہے جبکہ حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ تب حضرت عیسیٰ مسیح کی مانند اس امت میں بھی ایک شخص پیدا ہوگا، جو نہ جہاد کرے گا اور نہ تلوار اٹھائے گا۔ اور آرام اور صلحکاری سے دلوں کو خدا کیطرف کھینچے گا۔" [1]

اس سے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جسطرح مسیح ناصری کی شریعت میں جہاد نہیں تھا اسی طرح مسیح محمدی (خود مرزا صاحب) کی شریعت میں بھی جہاد نہیں، اس سلسلہ میں وہ مزید صراحت کرتے ہیں:

"میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اب وہ اگر ایسا کریں گے (یعنی جہاد کریں گے) تو وہ خدا سے لڑیں گے اور خدا ان سے لڑیگا، کیونکہ اس کا منشاء یہی ہے کہ دنیا کو یہ معجزہ دکھا دے کہ نرمی سے اور صلح سے اور اخلاق کے کمال سے اور اعجازی نمونوں سے دلوں میں پاک تبدیلی پیدا کرے، پس جو شخص اس کے منشاء کے برخلاف دین کے لئے تلوار اٹھاتا ہے وہ اس کے معجزہ کو باطل کرنا چاہتا ہے اور اسکی حکمت کا دشمن ہے۔"

مرزا صاحب نے "گورنمنٹ انگریزی اور جہاد" کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا تھا اس میں بھی انہوں نے "مسیح اور جہاد" کے نکتہ کو فراموش نہیں کیا، فرماتے ہیں،

"یہ خیال ان کا (مسلمانوں کا) ہرگز صحیح نہیں ہے کہ جب پہلے زمانہ میں جہاد روا رکھا گیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اب حرام ہو جائے ــــــ؟ اس کے ہمارے پاس دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ خیال قیاس مع الفارق ہے۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز کسی تلوار نہیں اٹھائی بجز ان لوگوں کے جنہوں نے پہلے تلوار اٹھائی ----- [2]

(باقی آئندہ)

---

[1] ریویو آف ریلیجز جلد ۲ ۱ صـ ۲۲

[2] سر سید کی تقلید میں مرزا صاحب کا نظریہ بھی یہ ہے کہ اسلام میں صرف دفاعی جنگ کی اجازت ہے۔ حملہ میں پہل کرنے کی اجازت نہیں۔ مگر یہ نظریہ صرف مرعوب ذہنیت کی پیداوار ہے۔ اور اسلام کی پوری تاریخ اسکی تکذیب کرتی ہے۔ یہ ایک الگ مقالے کا موضوع ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ـــــ

تبصرۂ کتب

تفسیر ابن کثیر عربی مکمل (چار جلدوں میں) امام اسماعیل بن کثیر الدمشقی (م ۷۷۴ھ)
ناشر:۔ سہیل اکیڈمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور — اسلامی ذخیرۂ تفسیر میں امام ابن کثیر کی شہرۂ آفاق تفسیر کسی لمبے چوڑے تعارف کی محتاج نہیں درایت و روایت اور ثقاہت و استناد کے لحاظ سے ہر دور کے علماء و فضلاء امت نے اسے ایک بہترین تفسیر کتاب اللہ قرار دیا ہے۔ کتاب عرب ممالک میں بارہا دفعہ چھپ چکی ہے اب ہمارے ہاں کی سہیل اکیڈمی نے اسے مصری ایڈیشن سے فوٹو لیکر نہایت ہی دلکش انداز میں ایمیٹیشن آرٹ پیپر پر شائع کیا ہے۔ اور قرآن کریم کی طرز پر ہر ہر صفحہ پر پارہ بسورۃ کا نام اور اس کے حساب سے رکوعات کے نمبر بھی لگا دیئے ہیں۔ نیز جلد چہارم کے آخر میں پوری کتاب میں آنے والی تقریباً تمام احادیث کا انڈکس بھی دیا گیا ہے۔ اعلیٰ طباعت کے ساتھ جلد بندی نہایت اعلیٰ ذوق کا ثبوت دیا گیا ہے۔ سہیل اکیڈمی نے اس سے قبل مفتاح کنوز السنۃ اور ریاض الصالحین کی طباعت میں بھی اسی عمدہ ذوق کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور امام سیوطی کے الاتقان میں بھی۔ طباعت کا یہ ایک عمدہ اور مثالی معیار ہے۔ اور ہم اس پر ناشر کو مبارکباد دیتے ہیں۔ کتاب کی چاروں جلدوں کی عام قیمت تین سو ۳۰۰ روپے رکھی گئی ہے۔ اور براہ راست طلب کرنے والوں سے ۱۵ فیصد رعایت بھی ہے۔ گو بظاہر یہ قیمت زیادہ لگتی ہے۔ لیکن مارکیٹ کی موجودہ حالت اور پھر کتاب کی ظاہری اور باطنی خوبیوں کی بناء پر درحقیقت نامناسب بھی نہیں ہے۔ خدا کرے سہیل اکیڈمی اسلاف کے شہ پاروں کی اشاعت میں اس معیار کو قائم و دائم رکھے۔

الاتقان فی علوم القرآن مذکورۃ الصدر ادارہ سہیل اکیڈمی کی شائع کردہ امام سیوطی کی مشہور کتاب۔ کتابت، جلد، کاغذ ہر لحاظ سے نہایت نفیس اور عمدہ۔ جلد اوّل ۲۰۰ دوئم ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ دونوں جلدیں ایک مجموعہ میں چھپ گئی ہیں۔ علوم قرآن میں الاتقان کی افادیت مسلمات میں سے ہے۔ اور اب پاکستانی شائقین بھی بآسانی یہ کتاب حاصل کر سکیں گے۔ قیمت -/۴۵ روپے ہے۔
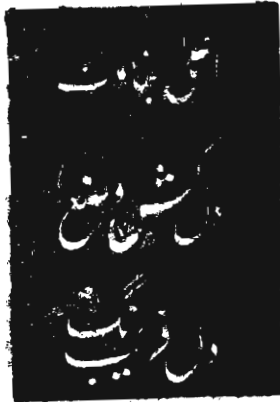
شہر شہر اور گاؤں میں
سب کے پاؤں میں
سروس
شوز
سروس
ہوائی چپل
جدید ترین اور دلکش ڈیزائنوں
میں
ہلکی پھلکی - آرام دہ - ارزاں
Servis

بی ۔ آئی ۔ ایم
صنعتی ترقی کا نیا دور

بی۔آئی۔ایم ملک میں اہم صنعتی ترقی کیلئے کمربستہ ہے۔
۲۸۰۰ کروڑ روپے کی لاگت کے نئے منصوبے ۱۹۸۰ء تک پاکستان کی معیشت میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کردیں گے۔
بھاری اور ہلکی انجنیئرنگ، کیمیائی اشیاء اور سرامکس، پیٹرولیم کی صاف سازی اور پیٹروکیمیکلز، کپڑے، طبی ادویہ، شکر سازی، ٹرک، سیمنٹ اور کیمیائی کھاد کی صنعتوں میں زبردست ترقی ہوگی
اس وقت تک کراچی کی اسٹیل ملز بھی ۱۳۰۰ کروڑ روپے کی مزید لاگت سے جزوی طور پر کام کرنا شروع کردیگی

بی۔آئی۔ایم کی کارکردگی اس کے کارخانوں کی کارکردگی سے عیاں ہے
۱۹۷۲-۷۳ء کی نسبت ۱۹۷۳-۷۴ء میں ان کارخانوں کی پیداوار ۳۴ر۱۳ فی صد اور فروخت ۷ر۶۳ فی صد بڑھ گئی ہے — ترقی کی راہ پر گامزن - بی۔آئی۔ایم

فیڈرل کیمیکل اینڈ سرامکس کارپوریشن لیمیٹڈ
فیڈرل لائٹ انجنیئرنگ کارپوریشن لیمیٹڈ
نیشنل ڈیزائن اینڈ انڈسٹریل سروسز کارپوریشن لیمیٹڈ
نیشنل فرٹیلائزر کارپوریشن آف پاکستان لیمیٹڈ
پاکستان آٹوموبائل کارپوریشن لیمیٹڈ
پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن لیمیٹڈ
پاکستان اسٹیل ملز کارپوریشن لیمیٹڈ
اسٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن آف پاکستان لیمیٹڈ
اسٹیٹ ہیوی انجنیئرنگ اینڈ مشین ٹول کارپوریشن لیمیٹڈ
اسٹیٹ پٹرولیم ریفائننگ اینڈ پٹرو کیمیکلز کارپوریشن لمیٹڈ

بورڈ آف انڈسٹریل منیجمنٹ